# تذکرہ
# ہندو شعرائے بہار

جس میں

صوبہ بہار کے متقدمین، متوسطین اور متاخرین یعنی دور حاضر تک
کے فارسی اور ریختہ گو ہندو شعراء کے تذکرے اور کلام بڑی جستجو
سے فراہم کرکے مستند تذکروں کے ضروری حوالوں کیساتھ جمع کئے گئے ہیں

مرتبہ

## فصیح الدین بلخی

ناشر

## نیشنل بک سینٹر۔ ڈالٹین گنج۔ پلامو

بار اول

قیمت
چار روپے ۲۵ نئے پیسے

# احوال ضروری

سطور ذیل میں بجز احوال ضروری کچھ بھی نہیں۔ اسلئے کہ نہ تو یہ اس کتاب کا مقدمہ ہے اور نہ صاحبِ کتاب کا تعارف۔ مقدمہ تو مرحوم مؤلف نے تالیفِ کتاب کے بعد ہی سپردِ قلم کر دیا تھا جو اس کتاب کی اہمیت کا ضمانت دار ہے۔ رہی بات تعارف کا۔ تو یہ ظاہر ہے کہ تعارف کسی اہلِ قلم کا ہوتا ہے جو اُس مخصوص فنکار سے بلند پایہ نہ ہو تو ہم پلہ ضرور ہو۔ راقم الحروف اس کا اہل ہی نہیں۔ پھر بھی چند سطور اسلئے سپرِ تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ مرحوم ہستیِ عظیم و جاوید جن کے علمی و ادبی کارناموں کا علم و ادب مرہونِ منت ہے اُس کے ذاتی حالات سے اہلِ ذوق پورے طور پر آگاہ نہیں ہو سکے ہیں۔

والد مرحوم حضرت فصیح الدین بلخی کا سنِ ولادت ۱۰ فروری ۱۸۸۵ء اور سنِ وفات ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء ہے۔ اُن کی سوانحِ حیات بہرصورت دلچسپیوں سے بھرپور ہے جو انہیں ایک مہم پسند سیاحِ ممالکِ بیرونی، ایک کامیاب معلم، ایک مقبول افسر، ایک وسیع النظر عالم، ایک بیباک فنکار، ایک حاملِ جستجو محقق، ایک صاف گو ناقد، ایک انصاف پسند مورخ اور ایک فرض شناس انسان ثابت کرتی ہے۔ اُنکی زندگی کے ہر پہلو پر بہ تفصیل روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں۔ قدرت کو منظور رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی سوانحِ حیات ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا جو ابھی تحریری منازل میں ہے۔ وہ بہت لمبی چوڑی ڈگریاں رکھنے والے فرد تو نہیں تھے لیکن اُنکے سپرد کم و بیش ہمیشہ کام ایسے ہی رہے جن کے لئے عموماً لمبی چوڑی ڈگریوں کے افراد کا انتخاب ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں اپنے والد محترم ڈاکٹر غیاث الدین بلخی مرحوم کی اچانک موت کے سبب اپنا تعلیمی سلسلہ کچھ دنوں تک جاری رکھنے کے باوجود زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے۔ ویسے ناسازگار ماحول میں یہی کیا کم تھا کہ کسی طرح کلکتہ یونیورسٹی کے انٹرنس کا امتحان امتیازی نشان سے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں منشی فاضل کا امتحان مزید امتیازی شان سے پاس کرنے کے بعد سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء کے لگ بھگ پونا ملٹری اسکول کرکی میں اردو و فارسی کے معلم کی حیثیت سے ان کا تقرر رہا ہوگی اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سنہ ۱۹۱۳-۱۲-۱۶ء کے لگ بھگ فورٹ ولیم (کلکتہ) میں معلمی کی۔ اسی اثنا میں جزیرہ فجی کی سیر کا موقع ملا۔ چنانچہ حکومتِ فجی کی عدالتِ عالیہ (SUPREME COURT) میں ترجمان کا عہدہ (معاوضہ مبلغ ایک سو چالیس پونڈ ماہانہ تنخواہ) سنبھالا۔ خرابیِ صحت کے سبب وہاں سے بھی واپس آ گئے۔ چنانچہ قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ دنوں بہار میں کبھی کوآپریٹو سوسائٹیز کبھی سٹلمنٹ

ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے رہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں فوجی ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں سیریا، مصر، فلسطین، دمشق، بیروت، بیت المقدس اور نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرنے کے بعد وطن واپس آئے جو نیور میں سب ڈپٹی کا عہدہ بھی غالباً ملا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۱ء کی تحریکِ عدم تعاون، حکام برطانیہ سے متاثر ہو کر اسے بھی ٹھکرا دیا۔ کئی برسوں تک معاشی بحران میں مبتلا رہنے کے بعد سنہ ۱۹۲۶ء میں ریاست سرائے کیلا میں، ریونیو افسر و مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں یہاں سے اپنی خوشی کے مطابق پنشن یافتہ ہو کر پٹنہ یونیورسٹی میں ناظم شعبہ مخطوطات ہوئے جہاں سے سنہ ۱۹۶۰ء میں ریٹائر کیا۔ پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات کو مرحوم کی کیا دین ہے اسے دنیا اچھی طرح جانتی ہے خصوصی طور پر اس کے موجودہ ناظم ڈاکٹر خواجہ افضل امام ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کو تو ان کی اس ضمن کی خدمات کا اچھا خاصہ علم ہے۔

مرحوم کی پہلی کتاب تاریخِ مگدھ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے سنہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہو کر مقبولِ عام ہوئی۔ دوسری کتاب تذکرہ نسوانِ ہند سنہ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ شاد عظیم آبادی کی شاعری سے متعلق انکا کتابچہ انشائے شاد بہت پہلے شائع ہو کر انکی ناقدانہ صلاحیت کو طشت از بام کر چکا تھا۔

مرحوم کی غیر مطبوعہ کتابیں کئی ہیں (مثلاً دیوانِ سخن، صوبہ بہار کے تاریخی مقالات کے کتبوں کا مجموعہ آثارِ بلخیہ، تحریکِ وہابیہ اور بہار، مقالاتِ فصیح، ہندو شعرائے بہار وغیرہ)۔

پیشِ نظر کتاب تذکرہ ہندو شعرائے بہار دراصل مرحوم کی غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے سلسلہ طباعت کی پہلی کڑی ہے۔ میں اس کی اشاعت کے لئے ناشرِ کتاب کا حد درجہ شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کسمپرسی کے دور میں ایسی جراتِ رندانہ سے کام لیا ہے بلکہ یہ بھی عزم کیا ہے کہ تحریکِ وہابیہ اور بہار مرحوم کی غیر مطبوعہ تصنیفات کے سلسلہ طباعت و اشاعت کی دوسری کڑی ہوگی۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے آمین!

میں اپنے محترم بزرگ پروفیسر عسکری، اپنے بزرگ دوست جناب منظور شمسی اپنے شاگرد کے۔ شرما اور اپنے ہم پیشہ عزیز پروفیسر نصیب رائی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ازراہِ خلوص ہر ممکن صورت اس گذشتہ آلام و مصائب کے ساتھ ہمدردانہ رویہ برت کر اس نیک کام کی تکمیل میں خلوص و محبت اور تعاون سے کام لیا۔

آخر میں روحِ مقدس کو اپنے جذباتِ احترام کے پھول پیش کرتا ہوں جس کے کارناموں کی دنیائے علم و دانش اور خصوصی طور پر اردو زبان و ادب رہینِ منت ہے۔

خاکپائے فصیح
خادم بلخی

محلہ کنڈ۔ دانشین گنج (پٹنہ سٹی)
۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء

# مقدمہ

آئینہ کیوں نہ دیں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے
(غالبؔ)

صوبہ بہار کی سرزمین جس کا قدیمی نام مگدھ ہے مذہبی، سیاسی، علمی اور ادبی حیثیتوں سے سارے ہندوستان کی تاریخ میں نہایت اہم اور ممتاز ہے۔ دنیا کے دو بڑے مذاہب یعنی بودھ دھرم اور جین دھرم کا ایجاد اور نشو و نما اسی زمین میں ہوا اور راجا چندرگپت اور اشوک کے عہد میں پاٹلی پتر جو بعد میں پٹنہ اور عظیم آباد کے نام سے موسوم ہوا ایسی وسیع مملکت کا دارالحکومت تھا جس کے حدود ملک ایران کی مشرقی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔

چندر گپت کے زمانہ میں کوتیلیا (چانکیا) ایک بڑا مقنن اور مدبر گذرا ہے جس کو ہندوستان کا ارسطو کہا جاتا ہے اس کی مشہور تصنیف ارتھ شاستر موریا خاندان کے راجاؤں کا دستور العمل رہی اور آج تک مورخ اس کو بڑی اہم کتاب جانتے ہیں۔

پاٹلی پتر کا ایک باشندہ پانینی جس کو دو ہزار برس سے زیادہ گذرے زبان کے اصول و قواعد منضبط کرنے کا موجد سمجھا جاتا ہے اور اس کی کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے دنیا میں پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

اس طرح اس ملک کے مشہور مہندس و منجم آریہ بھٹ نامی (۴۷۶ء تا ۵۴۳ء) نے بیس برس کی عمر میں اسی پاٹلی پتر میں علم ہندسہ و نجوم پر ایک کتاب تصنیف کی جو اب تک قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

پاٹلی پتر کے راجاؤں میں سمندر گپتا (۳۳۰ء تا ۳۸۰ء) فن سپہ گری کے علاوہ شاعری اور موسیقی میں کمال رکھتا تھا۔ اس کے سکوں میں
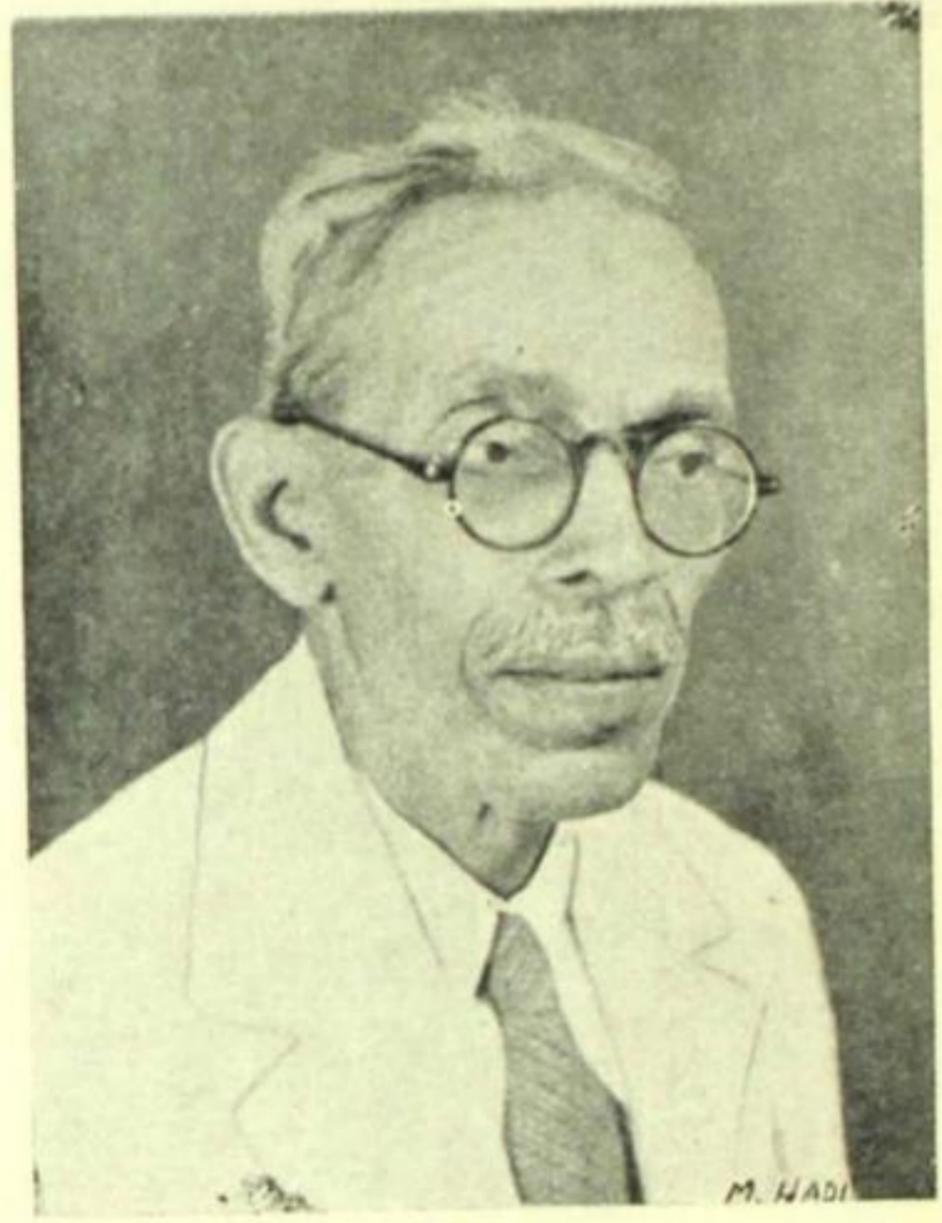
بین بجاتے ہوئے اس کی تصویر پائی جاتی ہے اور اس نے اپنی شوکت و عظمت کا حال سنسکرت میں نظم کر کے اشوک کے سنگین پائے پر کندہ کرایا تھا جو قلعہ الہ آباد کے اندر پایا گیا ہے۔

۴۲۷ء کے قریب قصبہ بہار سے پانچ کوس دکھن نالندہ کی مشہور دانش گاہ قائم ہوئی جو ہندوستان سے چین تک علم کا مرکز تھی یہ اہل وطن کے علمی ذوق کا سب سے بڑا اور نمایاں ثبوت تسلیم کیا جاتا ہے۔ چین کے جاتریوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہاں ہزاروں اہل علم موجود تھے ان میں متعدد مصنّفین بھی تھے جن کی تصنیفیں اس ملک کے علاوہ تبّت، چین، اور ملایا تک مشہور تھیں۔ آج بھی پٹنہ میں کتب خانۂ مشرقیہ (خدا بخش لائبریری) مخطوطات کا ایسا ذخیرہ ہے جو دنیا کے نادر کتب خانوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اہل بہار کے علمی ذوق کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔

ارباب علم کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ ہر ایک زبان کے ادبی سرمایہ سے تمتّع حاصل کریں۔ البیرونی نے ہندوستان آ کر برہمنوں سے سنسکرت سیکھی اور اس ملک کے حالات اور ہندوؤں کے طرزِ معاشرت کی جو کیفیت لکھی ہے نہایت اہم ہے۔ تاریخوں کے مطابق سلطان سکندر لودی کے عہد (۸۹۵ھ تا ۹۱۲ھ) میں ہندوؤں نے فارسی پڑھنا شروع کیا لیکن اس وقت ان کی فارسی دانی دیوان خانوں اور دفتروں کی نوشت و خواند تک محدود تھی اس کے بعد اکبر کے عہد (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۳ھ) میں راجا ٹوڈرمل نوشت و خواند میں بے تکلف فارسی استعمال کرتے تھے اور راجا مان سنگھ نے صوبہ بہار کی حکومت کے زمانہ میں حاجی پور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جس کی نقل راقم



کے پاس موجود ہے اس میں ایک جانب فارسی عبارت ہے اور دوسری جانب وہی مضمون فارسی آمیز ہندی میں ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکبر ہی کے عہد میں کرشن داس بہاری ایک بڑے ذی علم برہمن تھے جنہوں نے بادشاہ کے ایما سے سنسکرت زبان میں فارسی سیکھنے کی ایک کتاب پارسک پرکاش نامی لکھی جس میں انھوں نے اپنے اشلوک میں بے تکلف عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں یہ کتاب پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔

گیارہویں صدی ہجری سے فارسی کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہندو شعرا مسلمانوں کے ہم پہلو ہو گئے تھے۔ چندر بھان برہمن کا دیوان اور اس کے مکتوبات اس بات کی کھلی دلیلیں ہیں۔ خاص صوبہ بہار میں نند لال گویا، اجاگر چند اُلفت وغیرہ وغیرہ کئی نامور فارسی گو شعرا گزرے ہیں اور ان کے بعد راجا پیارے لال اُلفتی ایسے نامور شاعر تھے کہ اس دیار میں اکثر و بیشتر فارسی گو شعرا انہیں کے شاگرد تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں جب فارسی کی جگہ اردو نے لی تو صوبہ بہار کے ہندوؤں نے اردو ہی میں سخن طرازی اختیار کی اور ہندو شعرا اور رؤسا اپنے دولت کدوں میں دھوم دھام سے مشاعرے منعقد کرتے تھے ان میں رائے بجیاتھ پرشاد غنیمت اور کنور اُگھراج بہادر رحمتی خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہیں۔

پیش نظر تذکرہ میں ۱۲۵ ہندو شعرائے بہار کے حالات اور نمونۂ کلام پیش کئے جاتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہندو شعرائے بہار کی تعداد اسی قدر ہے۔ افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود بہتیرے شعرا کے حالات اس قدر نہ مل سکے کہ اس تذکرہ میں درج کئے جا سکیں بعض پرگو اور صاحب دیوان

ہندو شعرا کے کلام دستیاب نہ ہوئے۔ غرض جس قدر حالات میں جمع ہوسکے اسی پر اکتفا کی گئی۔ ان شعرا کو تین ادوار میں تقسیم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ دورِ متقدمین میں وہ شعرا ہیں جو تخمیناً ۱۲۰۰ھ تک سخن طرازی کرتے تھے۔ دورِ متوسطین میں وہ شعرا ہیں جو تقریباً ۱۲۰۱ھ سے ۱۳۰۰ھ کے درمیان مشقِ سخن کرتے تھے اور دورِ متاخرین میں وہ شعرا ہیں جنہوں نے ۱۳۰۱ھ سے اس تذکرہ کی ترتیب کے وقت تک یعنی ۱۳۸۰ھ تک شعر و سخن کا بازار گرم رکھا ہے۔ یہ ہندو شعرائے بہار کا پہلا تذکرہ ہے اور اس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ صوبہ بہار میں فارسی اور اردو زبان و شاعری کے رواج و ترقی میں ہندوؤں نے کس کشادہ دلی سے حصہ لیا ہے اور اب تک لے رہے ہیں۔

محو کیا نقشِ محبت ہو کے اربابِ وفا
جتنے مٹتے گئے اتنے ہی نمودار ہوئے

در آسخ عظیم آبادی

راقم
فصیح الدین بلخی

محلہ گذری پٹنہ سیٹی ۸
۳۱ جولائی ۱۹۶۱ء



# فہرست

# متقدمین ہندو شعرائے بہار

## سنہ ۱۲۰۰ھ تک

(۱) گویاؔ تخلص اور نند لال نام۔ ہندو شعرا میں ان سے بہتر صوفی منش فارسی گو شاعر کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اسپرنگر کے کٹلاگ میں بھی گویا کا مختصر ذکر ہے۔ سکھوں کے نویں گرو گرو گوبند سنگھ کے رفیق و ہمدم تھے۔ عرصہ تک عظیم آباد اور ترہٹ میں رہے۔ گرو گوبند سنگھ جی سنہ ۱۶۶۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے تھے اور انھی کے سبب سے پٹنہ میں ہرمندر سکھوں کی مقدس و مشہور و معروف زیارت گاہ ہے۔ نند لال گویا کے کچھ حالات پنجابی زبان میں کتابی صورت میں طبع ہوئے تھے۔ غالباً امرت سر میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ گویا کا دیوان نایاب تھا لیکن حسن اتفاق سے ایک دوست نے مجھے لا کر دیا۔ اس کے آخر میں کاتب نے گویا کے کچھ حالات بھی لکھے ہیں وہ اس جگہ بجنسہ نقل کئے جاتے ہیں۔

"مخفی نماند کہ دیوان ہذا از نند لعل متخلص بہ گویا مذہبش داسی یعنی نانک شاہی است و دریں مقام قصبہ مظفر پور از بیا مجبورہ جناب مستطاب قبلہ عالم و عالمیاں رائے رایان کالکا سہائے ترائندر بہادر دام اجلالکم و افضالکم کہ خاکسار یکے از ادنی ترین

شاگردان خط غزنوی یعنی ایں خط شفیعا جناب موصوف است
ذکر ایں دیوان آمدہ۔ آخرش روزے بمقام بھکھر حین درستگی ذخیرہ
کتب ہائے ایں اوراق چند از نظر ایں عقیدت مند گذشت و بخاطر
پیوست کہ صاف شود و مرضی مبارک ہم جناب ممدوح برہمیں
امر مستحکم آمد چنانچہ حسب الامر جناب قبلہ معظم ایشاں ایں ہیچمداں
در روزے چند قلم بند گردانید و بتاریخ ہفتدہم ساون سمبت ۱۹۱۸
موافق ہشتم ماہ اگست سنہ ۱۸۶۱ عیسوی مطابق ۲۹ شہر محرم الحرام
افاضت برکاتہ الی الایام روز پنجشنبہ صورت اختتام پذیرفت
اگرچہ چنانکہ خواست آنچناں راست نہ آمد۔ بہرکیف از عدم صورت
وجود بست انشاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی باقیست تا بار دیگر بوجہ
احسن رقم پذیر خواہد شد مضمون ایں دیوان آں ماند کہ ہیچماں مثل گویا
جو یا باشد۔ تعریف و توصیف مضامین ایں دیوان چہ پرطرازد سبحان اللہ
چہ باید گفت۔ انچہ از زبان مبارک جناب قبلہ ممدوح مسموع شدہ بود
ازاں بالمضاعف یافت، کہ ایں مضمون عارفانہ است ہر کہ وجہ
بدماغ ایں رسیدن نمی تواند' واہ گردی سخن بادشاہ' و در تمامی
ایں دیوان یک رباعی طبع زاد جناب سید تراب علی صاحب و قبلہ
دام فیضہ کہ الحق ایں چنیں مرد مسلمان کہ ایمانش بہمہ وجوہ از
اکل حلال و صدق مقال مسلم باشد دیگر ندیدم و ممدوح الیہ متوطن
بھکھر اند و از ماہنوداں بسیار ربط دارند مندرج بود بنا بر خواست
کہ رباعی مذکور ہم کہ بافکارِ آں بزرگوار است در ذیل ثبت باشد

چنانچہ در ورق قلم بندی شود۔ الٰہی توفیقِ حق پرستی رفیق باد۔"

افسوس ہے کہ وہ ورق جس پہ سید تراب علی صاحب کی رباعی لکھی
غائب ہے اور دیوان کا اول ورق بھی غائب ہے جس سے پہلی غزل ناتمام
رہگئی ہے لیکن باقی دیوان مکمل اور نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔

ذیل میں دیوان سے بلا انتخاب کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ سارا
دیوان عارفانہ کلام سے مملو نظر آتا ہے اور اشعار کی زبان بھی ایسی سلیس ہے
کہ حافظ شیرازی کی تقلید معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کسے بحال غریبان نارسا نرسد — رسیدہ ایم بجائے کہ پارسا نرسد
ہزار خلد بریں را بہ نیم جو نخرند — ازاں کہ ہیچ بداں کوئے دلربا نرسد
طبیب عشق چنیں گفتہ است و می گوید — بحال درد غریباں بجز خدا نرسد
فدائے خاک درش می شود ازاں گویا — کہ ہر کہ خاک نگردد بمدعا نرسد

درونِ مردمک دیدہ دلربا دیدم — بہر طرف کہ نظر کردم آشنا دیدم
بگرد کعبہ و بتخانہ ہر دو گردیدم — دگر نیافتم آنجا ہمیں ترا دیدم
بہ ہر سوئے کہ نظر کردم از رہِ تحقیق — بسانِ خانۂ دل خانۂ خدا دیدم
گدائیِ سرِ کوئے تو بہ ز سلطانی ست — خلافتِ دو جہاں ترک مدعا دیدم
مرا ز روزِ ازل آمد ایں ندا گویا — کہ انتہائے جہاں را در ابتدا دیدم

از دوست غیرِ دوست تمنا نمی کنیم — با دردِ سر خوشیم و مداوا نمی کنیم
با یار ہمدمیم و نہ بینیم غیرِ او — ما آرزوئے خضر و مسیحا نمی کنیم
بیمارِ نرگسیم کہ نرگس غلامِ اوست — ما چشم را بروئے کسے وا نمی کنیم
ہر جا کہ دیدہ ایم جمالِ تو دیدہ ایم — ما جز جمالِ دوست تماشا نمی کنیم

پروانہ وار گردِ رخِ شمع جاں دہیم  چوں عندلیب بیہودہ غوغا نمی کنیم
گویا خموش باش کہ سودائے عشقِ یار  تا ایں سر است از سر خود وا نمی کنیم

(۲) **الفت** تخلص اور اجاگر چند نام۔ عظیم آباد کے متقدمین ہندو شعرا میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے شاعری کے علاوہ انشا پردازی میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آغا حسین عاشق مولف 'تذکرہ نشتر عشق' بندرابن خوشگو مولف 'سفینۂ خوشگو'، ڈاکٹر عبداللہ مصنف 'ادبیات فارسی میں ہندوں کا حصہ' اور مولوی عزیز الدین بلخی مولف تاریخ شعرائے بہار نے ان کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر سید حسن عسکری صاحب نے رسالہ معاصر نمبر ۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں الفت پر ایک مقالہ شایع کیا ہے جس کو انہوں نے "انشائے غریب" کا نادر نسخہ دستیاب کرنے کے بعد لکھا ہے۔ اس مقالہ کی بدولت الفت کی ایک اردو غزل اول اول منظر عام پر آگئی۔ اس میں عسکری صاحب نے الفت کے ایک خط مورخہ ۲۵ شعبان ۱۱۴۲ھ بنام نواب فخر الدولہ صوبہ دار بہار کا بھی ذکر کیا ہے۔ فخر الدولہ سلطنت مغلیہ کے مقرر کئے ہوئے آخری صوبہ دار بہار تھے ان کے برطرف ہونے پر صوبہ بہار کی حکومت ناظم بنگالہ شجاع الدین محمد خاں کے سپرد ہوئی اس لئے یہ خط بھی تاریخی اہمیت سے خالی نہیں۔

عسکری صاحب نے ریختہ میں الفت کے پندرہ اشعار نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ کتابت کی خرابی کے سبب بعض الفاظ صحیح طور پر پڑھے نہ گئے۔ ڈاکٹر اختر اورینوی نے انہیں اشعار میں سے آٹھ شعر اپنے ڈی لٹ کے تھیسس میں نقل کئے ہیں عسکری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولف تاریخ



شعرائے بہار کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اجاگر چند پہلے غربت تخلص کرتے تھے دام الفت میں گرفتار ہو کر الفت تخلص اختیار کیا۔ عسکری صاحب نے ان کا تخلص غریب بتایا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے غالباً انہوں نے ریختہ کی غزل کا آخری شعر:-

یارب غریب ملکِ معانی کو رہنما  شکل مہیب و صورت زیبا سیں کام کیا

دیکھ کر ایسا قیاس کیا تھا۔ راقم کو خیال ہوا کہ انشائے غریب و دیوان الفت کو بغور دیکھ کر تخلص کی توثیق کی جائے۔ انشائے غریب کا واحد نسخہ جس میں دیوان الفت بھی شامل ہے۔ کے پی جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ملک ہے راقم نے اس کو دیکھا تو حیرت ہوئی کہ اس میں ریختہ کے پندرہ اشعار اور فخر الدولہ کے نام الفت کے خط کا کہیں پتا نہیں۔ میں نے عسکری صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اشعار اور خط اب اس نسخہ میں موجود نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نسخہ فروخت ہونے کے لئے آیا تھا یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور میں نے نقل کر لی تھیں لیکن بعد میں یا تو فروخت کرنے والے نے وہ اوراق نکال لئے یا جلد سازی کے وقت وہ اوراق خستہ حال اور بیکار سمجھ کر ضائع کر دیے گئے۔

بہر کیف اس نسخہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تخلص کی نسبت عسکری صاحب کا قیاس صحیح تھا الفت نے کسی وقت میں غریب تخلص کیا تھا۔ دو مقطعوں میں لفظ غریب الفت کے ساتھ آیا ہے اسلئے غریب تخلص کرنا صریحاً ثابت نہیں ہوتا جیسے

.... کہ حال پرسدِ دلِ غریبِ الفت  . . . . . . . . غمِ یار ما نیابد

(ورق پھٹا ہوا ہے اور الفاظ غائب ہیں ان کی جگہ نقطے دیدے گئے ہیں)

مدار شیوہ نمودیم آہ یار بگفت
غریب الفت ما خیر خواہ ہر فن بود

لیکن ایک خط کے ساتھ غزل اصلاح کے لئے بھیجی ہے اس کے مقطع میں غریب ہی تخلص کیا ہے اور انشائے غریب الفت صـ ۴۹ میں ایک نظم ہے جس کے آخری شعر میں 'غریب' بطور تخلص کہا ہے۔ یہ دونوں شعر ملاحظہ ہوں۔

درمیاں خلوتِ دلہا غریب — ہمنشینے نیست بہتر از کتاب
غریب از کار اینہا چند گوی — اماں از کارِ ایں غولاں نجوی

راقم کا خیال ہے کہ مولف تاریخ شعرائے بہار نے جس تذکرہ کو دیکھکر تخلص بجائے غریب کے غربت قیاس کیا اس میں لفظ غریب کے آخری دو حروف کے نقطے نہ ہوں گے۔ دونوں لفظوں میں تجنیس خطی ہے نقطہ نہ ہونے کی صورت میں غریب اور غربت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

راقم نے انشائے غریب اور دیوان الفت بہ نظرِ تحقیق دیکھا ہے اسلئے ان کی کیفیت مختصر طور پر عرض کرنا فایدے سے خالی نہ ہوگا۔

دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں مجلد ہیں جس کی تقطیع ۸ انچ × ۷ انچ ہے کاغذ دیسی اردلی ہے۔ انشا کی کتاب کے متعدد اوراق غایب ہیں اور دیوان کا بیشتر حصہ آتش زدہ ہے بعض جلے ہوئے اوراق پر دوسرا کاغذ چپاں کر دیا گیا ہے جس سے بہت سے مصرعے ناقص رہ گئے ہیں اس کے علاوہ کاتب نے بھی بعض غزلیں ناتمام چھوڑ دی ہیں اس مجموعہ میں اول رقعات ہیں اور بعد میں دیوان ہے۔ کتاب نستعلیق میں لکھی گئی ہے لیکن بعض جگہ شکست



کی سی کیفیت ہے۔ رقعات کی ترتیب مصنف نے اس طور پر کی ہے۔

(۱) قسم نخستین مشتمل بر ترائف مرسول بخدمت امرایان و بزرگان فیاض زماں
(اول ورق سے ۲۹ ورق تک)

(۲) قسم دویم ملحق ملاطفات شوق آیات مرقومہ بمخلصان یکدل و یکجان
(.... ورق ۳۰ سے ۵۲ تک)

(۳) قسم سویم بمتفرقات مثل توصیف ہولی و مبارکباد شادی و عید و رمضان وغیرہ
(ورق ۵۳ سے ۵۹ تک)

ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے

اے پر گہر ز نامِ تو درج مقالہا — سر شاخ نطق از مئے حمدت لبالہا

دوسرے ورق پر یہ عبارت ہے۔ "ایں نامہ نامی موسوم بانشائے الفت غریب نمودہ شد" انسٹھویں ورق پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے۔

"تمامی نسخہ انشائے غریب تصنیف منشی اجاگر چند صاحب کایستھ ماتھر سوکلی (؟) بکینٹھ باشی بدست خام بندہ گمنام فقیر حقیر ہیرا لعل یکے از طلبہ جناب قبلہ و کعبہ جناب راجہ پیارے لعل صاحب مدظلہ العالی بتاریخ بست و یکم شہر ربیع الاول ۱۲۰۴ھ ہجری تمام شد۔"

اس کے بعد پھر رقعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو صفحہ ۸۸ پر ختم ہوا ہے۔ پہلا ورق غایب ہے اسلئے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکا جو رقعہ مندرج ہے اس شعر سے شروع ہوا ہے۔

بہ طاجی ماجی فتنۂ قامت — نمک پروردۂ شور قیامت

چند سطروں کے بعد راجا رام نراین کی کشتی کی تعریف میں ٹھوبل

مضمون ہے اس کے بعد نواب شوکت جنگ پسر صولت جنگ (حاکم پورنیہ) کے گھوڑے کی تعریف ہے۔ رقعات کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الفت کے تعلقات بہت وسیع تھے تمام مکتوبات امرا، حکّام، مشاہیر شعرا، ادبا اور ممتاز اشخاص کے نام ہیں جن کی تاریخی، سیاسی، ادبی اور سماجی اہمیت مسلم ہے۔ رقعات کی تعداد ۱۴۰ ہے جن میں مبارک بادِ سکّہ سال ہشتم جلوس محمد شاہ بادشاہ غازی حسب الایما راجا رام نراین بھی ہے (سال ہشتم ۱۱۶۳ھ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت الفت ایک مشاق انشا پرداز تھے) رقعات جو مختلف اشخاص کے نام ہیں ان میں دس رقعے بنام راجا رام نراین، پچیس ۲۵ بنام بلاس رائے رنگین، تین ۳ بنام لالہ بندرابن خوشگو شاگردِ سراج الدین علی خاں آرزو ایک بنام افصح الشعرا میر محمد علیم تحقیق، دو ۲ بنام میر محمد حسین خلف میر محمد علیم تحقیق، ایک بنام راجا کیرت سنگھ، دو بنام رائے اودے چند دیوان نواب سراج الدولہ، ایک از زبان مولوی محمد حسن بنام نواب ہیبت جنگ، ایک بنام رائے بالمکند در نو عہ راجا کیرت سنگھ، ایک بنام شیخ علی حزیں، ایک بنام میر اشرف ایک بنام راجا دھیرج نراین، دو بنام لالہ مول راج عزت (کہ بہ تقریب گیا از شاہجہان آباد رسید) ان کے علاوہ اور خطوط بھی معزز اور سربرآوردہ اشخاص کے نام ہیں محض طوالت کے خوف سے اس جگہ ان کا ذکر نہ کیا گیا۔

الفت نے اپنے استاد تحقیق کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا اور سفینۂ خوشگو میں درج کرنے کے لئے بندرابن خوشگو کو بھیجا تھا اس کا ذکر ایک خط میں موجود ہے جو بجنسہٖ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

"بخدمت نخل بند بوستانِ نکتہ دانی چشم و چراغ معانی میر محمد حسین صاحب خلف الصدق قبلہ ارباب تدقیق میر محمد علیم صاحب تحقیق ابلاغ یافت"۔

"میر صاحب قدر دان رسوخیت کیشان سلامت"۔

"اشعار انتخابی دیوان میر صاحب و قبلہ رحمت اللہ خدمتگار سرکار رسانید انشاء اللہ تعالیٰ لالہ خوشگو صاحب سلمہ المنان داخل تذکرۃ الشعرا نمایند و احوال ہم حسب الارقام عالی بشرح و بسط قلمی می فرمایند قطعہ تاریخ وصال میر صاحب مغفور کہ طرح کردہ احقر بود ارسال بسامی خدمت نمود از نظر معالی منظر خواہد گزشت"

آں میرِ علیم رمز معنی جا کرد — در خلوتِ عرش فوقِ چرخ ارزق
افتاد ستونِ کاخ 'فطرت' افسوس — شد گلشن تحقیق خرد بے رونق
در ماتمِ او کرد سخن جامہ سیاہ — چوں گریہ نمود خامہ از دیدہ شق
در خون جگر دلِ سیہ پوش زِ غم — زد غوطہ چو داغِ لالہ در رنگِ شفق
تاریخ وفات او بالفت ہاتف — فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق

۱۱۷۱ھ

قطعہ کے دوسرے شعر میں فطرت سے مرزا معز موسوی فطرت مراد ہیں جو تحقیق کے استاد اور مشہور و معروف اہل زبان شاعر و استاد فن تھے گیارہویں صدی ہجری کے اخیر میں اورنگ زیب نے ان کو عظیم آباد کا شاہی دیوان مقرر کیا تھا۔

# دیوان الفت

دیوان الفت ۱۳۸ صفحوں پر خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔
بہت سی غزلیں کاتب نے ناتمام چھوڑ دی ہیں اور اکثر اوراق آتش زدہ ہیں۔ اول صفحہ پر یہ عبارت ہے۔

"دیوان منشی اجاگر چند بکنٹھ باشی متخلص بہ الفت ابن لالہ مہابلی سرگ باشی۔ جد مادری راجا پیارے لعل الفتی تخلص مدظلہ العالی"

قبل میں مذکور ہو چکا ہے کہ ترقیمہ میں کاتب نے اپنا نام ہیرا لعل بتایا ہے۔ الفتی کے بیٹے کنور ہیرا لعل ضمیر تھے غالباً وہی اس مجموعہ کے کاتب ہیں۔

## نمونہ کلام

الفت نے جو غزل شیخ علی حزیں کے پاس اصلاح کے لیے بھیجی تھی اسی کو بطور نمونہ کلام پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس میں حزیں کی شاگردی کا بھی اعتراف ہے۔

من از دردِ جدائی خاطرِ اندوہگیں دارم — کہ دشمن در بغل ہمچون دلِ خود در کمیں دارم
تسلسل تا ابد تارِ سرشکم را شود لازم — نظر از بسکہ بر زنجیر زلفِ عنبریں دارم
بجائے نالہ ام در سینہ سروِ نازنی روید — ز بس در دل خیالِ قامتِ آں نازنیں دارم
بخاک افتادہ چوں من ز عالم بر نمی خیزد — بسانِ نقش پا در کوئے او سر بر زمیں دارم
دلم از بستگی ہا نقد ہمت در گرہ دارد — نہ ہمچو کاکل او عقدہ در خاطر کمیں دارم
بہ ہفت اقلیم گردد نام کفرِ عشق او روشن — کہ اسم آں صنم نام خدا نقش نگیں دارم
بدام آوردنش صیاد من آساں نمی باشد — دل دیوانۂ آں چشم وحشت آفریں دارم



مبادا سیل اشک دیدہ از سر گزرد یا رب — زراہ کوچۂ آں شوخ گرد بر جبیں دارم
بفوج غمزہ غارتگر نگاہے گشتہ مہمانم — چہ سازم نذر او یا رب دل ایمان و دیں دارم
ز سوز گریۂ ہجران رخسارش چہ می پرسی — صد آتش پارہ لخت جگر در آستیں دارم
تراز و نکتہ ہائے آبدار ز خامہ ام الفت — کہ بہ ساعت نظر بر فیض استاد حزیں دارم

## نمونہ کلام ریختہ

ریختہ میں الفت کی ایک غزل دستیاب ہوئی ہے جس کو عسکری صاحب نے اپنے مقالہ میں درج کیا تھا وہی اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

خلوت نشینِ غم کو تماشا سیں کام کیا — مخمورِ جام عشق کو صہبا سیں کام کیا
دیوانۂ محبت بے اختیار کو — تکلیفِ حال محبتِ دانا سیں کام کیا
سرمستِ مئے الست کہ ہے تشنۂ دگر — جامِ شرابِ کہنہ و مینا سیں کام کیا
آباد بادِ ملکِ قناعت و مردمی — ویرانۂ خرابیٔ دنیا سیں کام کیا
جس کو ہے زورِ ہمت بازوئے مردمی — ارثِ پدر و خانۂ بابا سیں کام کیا
آزاد کہ ہست قفلِ خموشی بہ بابِ لب — چون و چرائے ..... گویا سیں کام کیا
صاحب سخن سوں صحبتِ جاہل ... — ..... و گوہر یکتا سیں کام کیا
پروردہ آفتابِ محبت کو روزِ حشر — بار نعیم و سایۂ طوبیٰ سیں کام کیا
جس کو ہے داغِ سینۂ و آتش تمام دل — سیرِ گل و تفرج لالہ سیں کام کیا
لیتا متاعِ دل کا کفِ اختیار سوں — سودائے عشق و بے سر و سودا سیں کام کیا
جس کو تپِ جدائی کی کامل لگی ہے — نازِ طبیب و تاب مداوا سیں کام کیا
ترکِ جو درسِ محبت کا ابتدا — بے مسئلہ بہ صحبت ملا سیں کام کیا
جائے کہ بوریائے نشیناں قدم نہند — فرش سمور و بستر دیبا سیں کام کیا
حاکم [illegible] ... — ملک شہ سکندر و دارا سیں کام کیا

یا رب غریب ملک معانی کو رہ نما شکل مہیب صورت یاسین کام کیا

انشائے غریب اور دیوان الفت میں دو ایسی چیزیں بھی پائی گئیں جن کو بظاہر الفت سے کوئی تعلق نہیں انشائے غریب کے صفحہ اول پر مرزا جلال الدین محمد کی لکھی ہوئی ایک رسید مبلغ پچاس روپیہ کی ایک انگریز حاکم کے نام سے ہے جس میں ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۳۰ء تاریخ بھی درج ہے اور دیوان کے ایک صفحہ پر سمبھو ذت رختی شاگرد الفتی کا کہا ہوا ایک قطعہ تاریخ ہے اس کی کیفیت رختی کے حالات میں درج کی جائیگی۔

(۳) **موزوں** مہاراجا رام نرائن نائب ناظم صوبہ بہار۔ فارسی کے صاحب دیوان اور خوشگو شاعر تھے۔ شیخ علی حزیں (متوفی ۱۱۸۰ھ) کے شاگردوں میں تھے۔ موزوں کا مطبوعہ دیوان جو ۳۸۴ صفحوں کو محیط ہے راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط کا ایک مجموعہ موسوم بہ دستور الانشا بھی ان کے وارث رائے متھرا پرشاد صاحب کے پاس ہے جس میں سیکڑوں مکتوبات ہیں جو اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں یہ بھی راقم کی نظر سے گزر چکا ہے۔ سفینہ خوشگو میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ان کی سیاسی زندگی اور عہد حکومت کو صوبہ بہار کے تاریخی اور انقلابی دور سے تعلق ہے اسلئے صوبہ بہار کی تمام تاریخوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ تمام حالات اور واقعات کو اس جگہ درج کرنے کی گنجائش نہیں اسلئے ضروری حالات مختصراً لکھے جاتے ہیں۔

ان کے والد دیوان رنگ لال کائستھ سری باستو ساکن موضع کشن پور ضلع شاہ آباد (آرہ) صوبہ بہار، نواب علی وردی خاں مہابت جنگ



ناظم بنگال، بہار و اڑیسہ کے معتمد دیوان تھے۔ لالہ جانکی رام نائب صوبہ بہار کے مرنے پر سنہ ۱۷۵۲ء میں مہابت جنگ نے راجا رام نرائن کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔ مہابت جنگ اور سراج الدولہ کے عہد تک انہوں نے صوبہ داری کا انتظام وفاداری کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد میر جعفر کی نظامت کے دور میں انہوں نے زمانہ سازی اور ظاہر داری سے کام لیا۔ اسی زمانہ میں شاہزادہ عالی گوہر (جو بعد کو شاہ عالم ثانی کے لقب سے بادشاہ ہوا) بہار و بنگالہ پر قبضہ کرنے کے قصد سے صوبہ بہار چلا آیا۔ شہر میں اس کی آن بان اور شان و شوکت کا شہرہ تھا اور میر جعفر اور انگریزوں کے ارادہ کا حال معلوم نہ تھا۔ رام نرائن نے مرعوب ہو کر اپنے مصاحب محمد شاکر کی معرفت ایک سو ایک اشرفی مع عرض داشت شاہزادہ کے پاس بھیجی اور حاضری کا قصد کیا اور محمد قلی خاں کو اپنا طرفدار بنا کر شاہزادہ کے پاس حاضر ہوا اس وقت غلام حسین خاں (مولف سیر المتاخرین) نے متنبہ کیا کہ رام نرائن عیار ہے اس کو ساتھ لے کر فوراً شہر پر قبضہ کر لینا چاہئے لیکن ان کے والد نواب ہدایت علی خاں نے کہا کہ شاہان مغلیہ نے کبھی کسی کے ساتھ دغا نہیں کی ہے اور محمد قلی خاں کو یہ زعم تھا کہ ان کی تلوار کے آگے کسی کی عیاری کیا چلے گی۔ شاہزادہ پھلواری کے قریب خیمہ زن ہوا تھا اسی جگہ راجا رام نرائن بھی حاضر ہوا۔ رسوم دربار کے مطابق وہ آداب و کورنشات بجا لانے پڑے جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ رنگ فق، چہرہ اداس، لب خشک حیران رہ گیا۔ نذر کی اشرفیاں پیش کر کے خلعت (سرپیچ و جیغہ مرصع کلغی جو شاہزادوں کے لئے مخصوص تھا) حاصل کیا لیکن شاہزادہ کے ساز و سامان کو اپنے گمان سے کم دیکھکر

دل میں پشیمان ہوا اور کھانے کا حیلہ کر کے گھر واپس آیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی شاہزادہ نے قلعہ عظیم آباد کے قریب آ کر قیام کیا۔ اس وقت تک رام نراین ظاہرا مدارات کرتا رہا۔ میر جعفر کو خبر ہوئی تو اول شاہزادہ کو کچھ روپے دیکر جنگ سے باز رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کا سامان نہ ہوسکا تو کلایو کے مشورہ سے کرنل کیلاڈ اور میرن کو فوج لیکر روانہ کیا اس کی خبر پاتے ہی رام نراین نے تیور بدل دئے محمد قلی خاں کے عملوں کو جو صوبہ کا حساب دیکھنے آئے تھے یہ کہکر نکلوا دیا کہ آپ کیا سمجھ کر تحکم کرتے ہیں۔ میں ناظم بنگالہ کا ماتحت ہوں آپ کا نوکر نہیں۔ ابتک جو کچھ کرتا تھا برسم مہمان داری کرتا تھا۔ یہ سنتے ہی شاہزادہ نے تسخیر عظیم آباد کا حکم دیا قریب تھا کہ قلعہ مفتوح ہوجائے لیکن اچانک محمد قلی خاں کو اطلاع ہوئی کہ شجاع الدولہ اس کی غیبت میں قلعہ الہ آباد پر قبضہ کیا چاہتا ہے اسلئے وہ اُدھر روانہ ہوگیا اور شاہزادہ کو جنگ ملتوی کرنی پڑی۔ اس کے بعد ہی عالمگیر ثانی نے انتقال کیا اور شاہزادہ بادشاہ ہوا۔ سنہ ۱۷۶۰ع میں کامگار خاں مئین اور بعض زمینداروں کو ساتھ لیکر بادشاہ نے رام نراین اور انگریزی فوج کے خلاف جنگ کر کے شکست دی اسی جنگ میں کامگار خاں نے رام نراین کو نیزے سے سخت مجروح کیا بلکہ اپنی دانست میں مار ڈالا تھا لیکن اس نے تختہ ہودج کی آڑ میں لیٹ کر کسی طرح جان بچائی۔ اسی سال دوسری جنگ میں انگریزی فوج نے شاہی فوج کو شکست دی اس میں رام نراین اور شتاب رائے نے بھی حتی المقدور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔

سنہ ۱۷۶۱ع میں انگریزوں نے میر جعفر کو معزول کر کے میر قاسم کو مسند



نظامت پر بٹھایا۔ میر قاسم نے رام نراین سے صوبہ کے محاصل کا محاسبہ چاہا۔ رام نراین نے حیلہ حوالہ کیا اور انگریزی فوج کے افسروں سے خفیہ میر قاسم کی شکایتیں شروع کیں اور ان کو یقین دلایا کہ میر قاسم انگریزوں پر چھاپا مارنے کا قصد رکھتا ہے۔ جنرل کوٹ نے اس کا یقین کر کے اچانک میر قاسم کی خرگاہ پر دھاوا کیا تو میر قاسم کو خواب راحت میں پایا اور اس پر رام نراین کی فتنہ انگیزی کا حال کھلا۔ کلکتہ میں کونسل کو معلوم ہوا تو اس نے جنرل کو واپس بلا لیا اور میر قاسم کو لکھا کہ رام نراین کے معاملہ میں تم کو اختیار ہے۔ میر قاسم نے حساب طلب کر کے دیکھا تو شاید بعض خیانتوں کا پتا چلا۔ رام نراین نے سررشتہ کا محاسبہ کم کرنے کی غرض سے بعض متصدیوں کو روپوش کرا دیا لیکن میر قاسم نے رام نراین کے گھر سے سات لاکھ روپے نقد اور تخمیناً اسی قیمت کی جنس برآمد کی۔ باقی رقم جو دوسروں کے پاس چھپا دی گئی تھی اس کا پتا نہ ملا۔ میر قاسم نے رام نراین کی جگہ پر راجا نوبت رائے کو مقرر کیا۔

سنہ ۱۷۶۳ع میں میر قاسم کی انگریزوں سے ان بن ہوئی اور جنگ کی نوبت پہونچی اس وقت جگت سیٹھ، سروپ چند، راج بلبھ، فتح سنگھ، بنیاد سنگھ جو انگریزوں سے خفیہ ملے ہوئے تھے اور ان میں سے بعضوں نے میر قاسم کے خلاف انگریزوں کو خطوط بھی لکھے تھے اور ابتک میر قاسم کی قید میں تھے قتل کرا دئے گئے اور اس کے بعد ہی قصبہ باڑھ کے قریب راجا رام نراین کو گلے میں ریت کا گھڑا بندھوا کر گنگا میں غرق کر دیا گیا مفصل حالات راقم نے تاریخ مگدھ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند سنہ ۱۹۴۵ع میں لکھے ہیں۔

مشہور صاحب دیوان شاعر ہونے کی حیثیت سے ان کا ذکر اکثر

تذکروں میں پایا جاتا ہے۔ سفینۂ خوشگو میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن اور سخن شعرا مولفہ نساخ میں بھی ان کا ذکر راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ ان کے فارسی کلام کا نمونہ ان کے دیوان سے اور اردو اشعار جو تذکروں میں پائے گئے اس جگہ پیش کئے جاتے ہیں۔ اردو بہت کم کہتے تھے گنتی کے صرف چند اشعار ان کی طرف منسوب ہیں۔

## فارسی

روشن بود ببزم خموشی بیان ما
چوں شمع سوخت نالۂ ما پر زبان ما

خوں در جگر نماند و خدنگے تو می رسد
حیف است ایں کہ تشنہ رود مہمان ما

عمرے ست بر سگان درت وقف کردہ ایم
در قسمت ہما نبود استخوان ما

ز بخت نارسا نرسد تا بگوش یار
موزوں پر است گرچہ جہاں از فغان ما

دی شب کہ کار بلبل دل آہ و نالہ بود
خون جگر بہ مردم چشم حوالہ بود

گرچہ بروے تو چوں آئینہ حیران گشتم
لیک از عکس رخش رشک گلستاں گشتم

در چنیں فصل کہ ہر خار چمن گل گردید
بخت بد بیں کہ من از نالہ سرایاں گشتم

تا سخن ہاے من از فیض حزیں موزوں شد
بغزل شہرۂ محسود ہزاراں گشتم

دل خواستم کہ اشک تماشا شود نشد
امید قطرہ بود کہ دریا شود نشد

گم گشت دل بکوے تو از دست بیخودی
ہر چند خواستیم کہ پیدا شود نشد

دیگر کجاست چشم ز بیگانگاں مرا
یک لحظہ خواستیم دل از ما شود نشد

موزوں تمام عمر دریں آرزو گذشت
کارام قسمت دل شیدا شود نشد

تا گرد سوز عشق بجانم سرایتے
چوں شمع نیست گریۂ ما را نہایتے



موزوں بسوئے میکدہ ہرگہ کہ میرم
از ماست التجا و ز ساقی عنایتے

## رباعی

ے نوش کہ عمر جاودانی ایں ست
خوشتر بہ ہزار کامرانی ایں ست
ہنگام گل است و روئے یاراں سرمست
خوش باش دمے کہ زندگانی ایں ست

## ریختہ

(۱) بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز
دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

(۲) کچھ گرانی نہیں مجکو وہ ستمگار کے ساتھ
دل گھل چو ہی پڑا اشک سبکبار کے ساتھ

(۳) ابر ہوگا تو خجالت ستی پانی پانی
مت مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ

شعر نمبر ۲ چمنستان شعرا میں بھی موجود ہے اور شعر نمبر ۳ تذکرہ گلزار ابراہیم میں پایا جاتا ہے اور غالباً اسی سے تاریخ شعرائے بہار میں نقل کیا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ سراج الدولہ کے مقتول ہونے کی خبر کو سنکر موزوں نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل شعر موزوں کیا تھا جس کو میر حسن نے بھی اپنے تذکرہ میں درج کیا ہے

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

راجا رام نراین نے اردو کے کچھ اور شعر بھی بعض موقعوں پر پڑھے تھے بعض لوگوں نے ان کو خود موزوں کے اشعار ہونے کا گمان کیا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں اور راقم کے خیال میں دوسروں کے اشعار تھے جن کو انہوں نے برمحل پڑھا تھا۔

(۴) **خاکستر** تخلص اور منشی سب سکھ نام، برادر راجا رام نراین موزوں

عظیم آبادی قوم کایستھ سری باستو۔ محمد فقیہ دردمند کے شاگرد تھے جو حضرت مظہر جان جاناں کی صحبت سے بہرہ مند تھے۔ تذکروں میں خاکستر کا صرف یہی ایک فارسی شعر پایا گیا جو بطور نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔

بہار گرد گلِ عارضِ عرقِ فتنا کش
نگہ بچشم تماشا ز شوق بر پا است

(۵) **رنگیں** منشی بلاس رائے خلف راجا امان رائے (دیوان مدار المہام پسر محمد علی روہیلہ) متوطن عظیم آباد قوم کایستھ سری باستو۔ راجا رام نراین موزوں کے رفقا میں تھے۔ اجاگر چند الفت کے خطوط ان کے نام بھی پائے جاتے ہیں جس کا ذکر الفت کے حالات میں گزر چکا ہے۔ تاریخ شعرائے بہار کے مطابق سنہ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ عشقی میں ان کا ایک شعر ریختہ میں علاوہ یہ ہے۔

اس مصیبت میں جو تو گھر سے نکالے ہے مجھے — یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب

فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے۔

از دختر رز شیخ بصد رنگ گریزد — این مرد ببینید چہ نامرد بر آمد
عشق از دل سینہ پر از آبلہ دارد — فریاد کہ آتش ز سپندم گلہ دارد

میر حسن کے تذکرہ میں رنگیں کے اسی قدر حالات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور اردو کا وہی ایک شعر پایا جاتا ہے جو مذکور ہوا۔

(۶) **مسکیں** لالہ بخت مل متوطن عظیم آباد۔ تاریخ شعرائے بہار کے مطابق سنہ ۱۱۹۰ھ تک زندہ تھے۔ مضمون آفرینی اور پر گوئی میں مشہور تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

روئے زمیں پہ جتنے بے یاد حق ہیں پھرتے — وے آدمی نہیں ہیں مالی کی مورتیں ہیں

تذکرہ گلزار ابراہیم میں مذکور ہے کہ انھوں نے اشعار بہت کہے لیکن تحسین سے محروم رہے اس تذکرہ میں بھی ان کا یہی ایک شعر ہے۔

(۷) **بہادر** تخلص اور راجا بینی بہادر نام۔ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں صوبہ بہار کے راجاؤں اور ناظم بہار کے معتمدوں میں تھے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ مولفہ اعظم الدولہ سرور نمبر ۱۳۶۱ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ان کا ذکر یوں ہے۔

"بہادر تخلص راجہ بینی بہادر از راجگان صوبہ بہار است" از وست

ہمارے جامہ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی — سیاہی مو کی گئی، دل کی آرزو نہ گئی

تذکرہ سخن شعرا میں بھی ان کا یہی ایک شعر پایا جاتا ہے، کنور جسونت سنگھ پروانہ انہیں کے بیٹے تھے۔

(۸) **ذوق** منشی آسارام ساکن عظیم آباد شاگرد مرزا فدوی۔ میر اشرف[۱] کے رفیق تھے تذکرہ شورش عظیم آبادی میں ان کا اسی قدر حال اور یہ اشعار ہیں۔

وہ نظر مجکو جب نہیں آتا — کچھ نظر مجکو تب نہیں آتا
دل جاتا ہے تیرے ہوا خواہ کا ایسے — شعلہ کی طرح رات جو کچھ اضطراب تھا
ذوق کے مرنے کا افسوس نہیں کچھ اس کو — غم کہاں شمع کے دل میں کسی پروانے کا
دردِ دل کہنے نہ پائے آج بھی — بیٹھتے ہی یار تو اکتا گیا
اے عندلیب سچ کہہ کس کا ہے آج پیالہ — لالہ کرلے اکٹھا افیون پوست لالہ

[۱] میر اشرف سے غالباً میر اشرف کشمیری پسر میر افضل کشمیری مراد ہیں

جن کا مزار اور انہیں کی بنوائی ہوئی مسجد محلہ چوک شکارپور میں موجود ہے۔ مزار اور مسجد میں کتبے بھی لگے ہوئے ہیں۔ سیر المتاخرین میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(۹) **عاشق** مہاراجا کلیان سنگھ المخاطب بہ انتظام الملک ممتاز الدولہ تہور جنگ قوم کایستھ سری باستو خلف ممتاز الملک مہاراجا شتاب رائے بہادر منصور جنگ ۱۱۶۵ھ میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸۷ھ میں شتاب رائے کے مرنے پر یہ اپنے باپ کے خطابات سے مخاطب اور پچاس ہزار روپے سالانہ تنخواہ پر ان کی جگہ پر نایب دیوان صوبہ بہار مقرر ہوئے۔

۱۷۸۱ء میں مہاراجا کلیان سنگھ اور راجا خیالی رام نے ملکر انتیس[29] لاکھ اکیس ہزار ایک سو سات روپے سالانہ پر انگریزوں سے صوبہ بہار کا تعہد لکھوایا تھا۔ انگریزوں کو اس کے قبل تک اٹھائیس لاکھ سے زیادہ مالگذاری وصول نہ ہوئی تھی اسلئے یہ ٹھیکہ منظور کرلیا لیکن بعض وجوہ سے علاقوں کا خاطرخواہ بندوبست نہ ہوسکا۔ دوسرے سال انگریزوں نے مالگذاری کی رقم کسی طرح کلیان سنگھ سے وصول کی لیکن اس سے کلیان سنگھ کی مالی حالت اچھی نہ رہی۔ نیابت کا تعلق بھی نہ رہا تھا اس لئے پریشان ہوکر کلیان سنگھ نے عظیم آباد کو چھوڑ کر کلکتہ میں قیام کیا۔ مدت دراز تک وہاں رہنے کے بعد ۱۲۱۰ فصلی میں یہ پھر عظیم آباد آئے تو انہوں نے اپنے مکانات اور باغ کو ویران پایا اور اہل شہر کے التفات میں بھی کمی محسوس کی اسلئے باقی پور جاکر انگریزی حکام کی کوٹھیوں کے قریب بود و باش اختیار کی۔ بالآخر ۱۲۳۶ھ میں یا اس کے بعد انتقال کیا۔

کلیان سنگھ اپنے باپ کی طرح شعرا اور ادیبوں کے قدردان



ہونے کے علاوہ بذات خود تواریخ شاعری اور ادب میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ مثنوی زیبا، حبیب السیر مدح ایمہ اطہار اور اس کے علاوہ خلاصۃ التواریخ اور واردات قاسمی یادگار چھوڑیں یہ سب کتابیں فارسی میں ہیں تاریخی کتب انہوں نے مسٹر ابراہیم والیڈ کی فرمایش سے لکھی تھیں ان کتابوں کو انہوں نے ۱۲۲۶ھ میں تمام کیا اس وقت ان کی بصارت بھی جاتی رہی تھی چنانچہ خود لکھا ہے کہ جو کچھ لکھواتا ہوں حافظہ کے بھروسے پر لکھواتا ہوں خود مسودات کو پڑھنے سے معذور ہوں۔ خلاصۃ التواریخ کا انگریزی ترجمہ نواب سرفراز حسین خاں مرحوم نے اب سے کوئی تیس برس قبل کیا تھا جس کو ریسرچ اسٹیٹیوٹ نے چھپوایا تھا اور واردات قاسمی کا ذکر بھی بعض انگریزی تاریخ میں انگریزوں نے کیا ہے۔ یہ اپنے باپ کی طرح صاحب تدبیر نہ تھے لیکن علمی صلاحیت ولیاقت میں اپنے مماثل واقران سے کسی طرح کم نہ تھے ناز و نعم میں پرورش پانے کے سبب عیش پسند تھے۔ شعرا کے اکثر تذکروں میں ان کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

### فارسی

نالاں زغم فرقت مہ پارۂ خویشم — اوارۂ دشت از دلِ آوارۂ خویشم

با حسنِ پریزاد ندارم سروکارے — در آئینہ مشغول بہ نظارۂ خویشم

ساقی نبود حاجت من بادۂ ناب — بیخود ز نگاہ بت میخوارۂ خویشم

### ریختہ

مچایا ہے جگر نے حشر کا سا شور پہلو میں — مگر دیکھا ہے یہ حالِ دلِ رنجور پہلو میں

ان کی سیاسی زندگی کے واقعات راقم نے تاریخ مگدھ میں لکھے ہیں۔

(۱۰) **گریاں** بھوانی سنگھ بہادر عرف راجا کنور مہاراجہ شتاب رائے کے بیٹے تھے مرزا محمد علی فدوی عرف مرزا بھچو سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ تذکروں میں ان کا صرف یہی شعر ملا۔

دل ہی نہیں ملے ہے ملے کیا نشانِ داغ   مدت سے ڈھونڈتا ہوں کروں کیا بیانِ داغ

(۱۱) **رقیم** منشی گرسہائے لال ولد منشی نور نراین لال ساکن ندرہ ضلع گیا فارسی و عربی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اردو شاعری میں شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ ان کا اردو کلام دستیاب نہ ہوا فارسی کا ایک شعر تاریخ شعرائے بہار سے نقل کیا جاتا ہے۔

درچمن وا اگر ایں عقدۂ گیسو گردد   غنچہ غنچہ گرہِ نافۂ آہو گردد

(۱۲) **دل** منشی بینی پرشاد خلف منشی دیبی پرشاد قوم کالستھ ساکن عظیم آباد شاگرد راسخ عظیم آبادی ان کا حال اور یہ شعر ایک بیاض میں پایا گیا جو مؤلف تاریخ شعرائے بہار کو کسی نے دی تھی۔

پردہ اٹھا کے تو نے ادھر کو گزر کیا   عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا

جی چاہتا ہے بولئے ہرگز نہ یار سے   پر بس نہیں چلے ہے دلِ بیقرار سے

(۱۳) **تحقیق** لالہ جیون رام ولد لالہ کرپا رام کایست سری باستو ساکن موضع شیو دھا پرگنہ ترسٹھ (صوبہ بہار) ان کے حالات کتاب آئینہ ترہت صفحہ ۴۷ اور صفحہ ۲۵۶ میں مندرج ہیں وہی اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں۔

"شریف و نجیب عالی خاندان صاحب علم و صاحب تصنیف و رئیس و صاحب معاش تھے۔ علوم عربی و فارسی میں شہرہ آفاق تھے۔ راجا مادھو



سنگھ بہادر در بھنگا ۱۱۸۳ فصلی تا ۱۲۱۵ فصلی موافق ۱۸۰۶ء کے دیوان تھے۔ شروع عملداری میں سرکار انگلشیہ کی جب رقوم دستورات و نانکار وغیرہ مہاراجا مادھو سنگھ کا ضبط ہو گیا تھا اس وقت دیوان جی موصوف نے بڑی کوشش و پیروی کر کے ان رقومات کو واگذاشت کروایا اس کے صلے میں موضع ہر پور پرگنہ بھر وارہ مہاراجا مادھو سنگھ بہادر نے عطا کیا۔ وارثوں سے ان کے بالفعل (یعنی ۱۲۹۰ھ) جانکی بلبھ سنگھ و جدو بلبھ سنگھ موجود ہیں اس وقت زمانہ ان سبھوں کا ناموافق ہے۔

دیوان جی صاحب اشعار فارسی بھی کہتے تھے تحقیق تخلص کرتے تھے منشی رادھا لال جی حقیقی راقم تاریخ ہذا (یعنی منشی بہاری لال فطرت) کی اول شادی اس خاندان میں لڑکی سے بابو کشن بلبھ ولد بابو رام بلبھ نبیرہ دیوان جیون رام کے ہوئی تھی وہ لڑکی دیوان رام ناتھ مورنج پور کی نواسی تھی۔ دیوان جی موصوف کا ایک شعر راقم کو یاد ہے لکھا جاتا ہے۔"

ہر عمل پختہ شود خام کہ در خانہ بماند   چوں بلا ذرکہ دگر سال نماید در تلخ

افسوس ہے کہ تحقیق کا اور کلام دستیاب نہ ہوا اور ان کی تصنیفوں کا بھی پتا نہ ملا ممکن ہے کہ تلاش و جستجو سے ان کے موجودہ ورثا کا پتا مل سکے اور کلام و تصانیف بھی دستیاب ہو سکیں۔ اجاگر چند الفت کے رقعات میں ایک رقعہ لالہ جیون رام کے نام بھی نظر سے گذرا ہے۔

(۱۴) **راجا** تخلص اور راجا بہادر نام خلف مہاراجا شتاب رائے۔ اشرف علی خاں فغاں متوفی ۱۲۰۶ھ کے شاگرد تھے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ بوبعہ سرور مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن، تذکرہ سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار

میں ان کا ذکر موجود ہے نمونہ کلام یہی ایک شعر پایا گیا۔

بہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہونچے ہم اُن تلک نہ پہونچے وہ ہم تلک نہ پہونچے

(۱۵) **بیدار** منشی بساون لعل تلمیذ حضرت مظہر جان جاناں عظیم آباد میں توطن اختیار کیا تھا عرصہ دراز تک یہاں رہے اور یہیں انتقال کیا۔ تذکرہ شورش عظیم آبادی اور تذکرہ عشقی عظیم آبادی دونوں میں ان کا ذکر ہے اور گارسن دتاسی نے بھی اپنے تذکرہ (زبان فرنچ) میں ذکر کیا ہے۔ ریختہ اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ریختہ کا نمونہ یہ ہے۔

ہے تیرے سوا کون مرا پوچھنے والا ہاں تجکو سلامت رکھے اللہ تعالیٰ

لختِ جگر یوں آنسوؤں کے ساتھ جاتے ہیں کہ جو پھولوں کی گٹھری لیکے پانی میں بہاتے ہیں

(۱۶) **فرحت** لالہ رام چند ساکن محلہ عالم گنج شہر عظیم آباد فارسی کے پرگو اور باکمال شاعر تھے ان کے مختصر حالات میرے پاس موجود تھے لیکن حسن اتفاق سے میرے کرم فرما مولانا عبد الرشید فوقانی ابن مرحوم علامہ شوق نیموی نے فرحت کی تصانیف کی مفصل کیفیت اپنی ذاتی واقفیت اور علامہ شوق کی تحریر کے حوالہ کے ساتھ محض ادبی ذوق کے تقاضے سے اس تذکرہ کے لئے ارسال فرمائی ہے۔ لہذا راقم شکریہ کے ساتھ اس کو درج کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "فرحت نے دیوان کے علاوہ دو دفتر میں مثنوی بھی لکھی ہے جس میں مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ اس کا پرانا قلمی نسخہ علامہ شوق نیموی مرحوم کے کتب خانہ میں محفوظ تھا اب میں محمد عبد الرشید فوقانی ولد شوق نیموی نے خدا بخش خاں مرحوم (بانکی پور پٹنہ) کے کتب خانہ میں داخل کر دیا ہے۔ جناب شوق نیموی مرحوم کتاب یادگار وطن



صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں۔ گنج شائگاں' یہ نایاب مثنوی لالہ رام چند متخلص بہ فرحت ساکن عالم گنج کی تصنیفات سے ہے جس میں مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ اس کا پرانا قلمی نسخہ مصنف کے وقت کا لکھا ہوا جناب والد مرحوم کے ہاتھ آگیا تھا اس کا دوسرا دفتر موسوم بہ گنج باد آورد اسی شاعر کا کہا ہوا حسن اتفاق سے مجکو مل گیا جس میں حاتم طائی کے وہ قصے ہیں جو آجتک نہ فارسی میں راقم کی نظر سے گزرے ہیں نہ اردو میں یہ دونوں دفتر فقیر کے کتب خانہ میں موجود ہیں جن کو بوجہ نایابی وحب وطنی راقم نہایت عزیز رکھتا ہے۔ مصنف نے دونوں دفتر میں حمد و نعت کو ذوالبحرین میں لکھا ہے اور دفتر اول میں حضرت مخدوم شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی مدح ذوالبحرین اور سہ بحری اور چہار بحری اشعار میں لکھی ہے چنانچہ چہار بحری اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

قطرہ از جود تو جود کثیر ذرہ از خوے تو مہر منیر

اس دفتر کو مصنف نے ۱۱۸۸ھ میں تمام کیا ہے۔ اس کی تاریخ کس خوبی کے ساتھ یوں لکھی ہے۔

سال اتمامش چو دل از عقل خواست کرد دو انگشت خم و دیگر دو راست

(یعنی دو انگلیوں کو دو بار خم کرنے سے دو آٹھ کی شکل یعنی ۸۸ پیدا ہوتے ہیں اور دو انگلیاں سیدھی کرنے سے دو الف کے مانند گیارہ ہوتے ہیں اس طور سے ۱۱۸۸ھ نکلتا ہے۔) یہ دونوں مثنویاں ایسی کمیاب اور غیر مشہور ہیں کہ کتاب تو کتاب مصنف کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں (تمام شد کلام شوق نیموی مرحوم)

اس کے بعد فوقانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دفتر اول کے آخر میں یہ مضمون ہے۔

حاتم نامہ من تصنیف لالہ رام چند متوطن محلہ عالم گنج بوقت دوپہر روز چہارشنبہ ماہ ربیع الاول سنہ ۲۲ جلوس والا عالم شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و حشمتہ۔ اب ہم دفتر اول موسوم بہ گنج شایگان اور اور دفتر دوم مسمیٰ بہ گنج بادآورد کے چند اشعار مختلف مقامات سے انتخاب کرکے ہدیہ ناظرین قارئین کرتے ہیں۔ اشعار حمد و نعت دفتر دوم مسمیٰ بہ گنج بادآورد معروف بہ حاتم نامہ بہ صنعت ذوبحرین۔

اے کہ شد از فیض تو اندر سخن — طوطی طبعم ہمہ شکر شکن
شکر تو اے خالق بندہ نواز — کے شود از بندۂ ناساز ساز
گر دمے از شکر تو راقم سخن — پر شکر از شکر تو گردد دہن
از کرم آوردہ از بہر ما — احمد مرسل سرِ ہر انبیا
از سر صدق از من عاصی مدام — باد بر آں مایۂ رحمت سلام
فرحت دل خستۂ شیریں بیاں — دم بدم از لطف تو خواہد چناں
ظاہر من از شوق تو در جوش باد — گوہر من آویزۂ ہر گوش باد

اشعار خاتمہ کتاب دفتر دوم و اشارہ در مدح مسٹر فریڈل صاحب بہادر۔

شکر ایزد خامۂ گوہر فشاں — کرد دُر ریزی لبے در داستاں
زر رقم گرچہ فسانہ سر بسری — لیک در افشاند در نظم دری
باوجود شغل چندیں کارگاہ — شد مرتب مثنوی در چار ماہ



بہر نامش داشتم غورِ تمام — عقل کردش گنج بادآورد نام
چوں صفات داورِ والا ہمم — کانِ جود و منبع فضل و کرم
مسٹر فریڈل فرخندہ شان — کز عطائے اوست پر دریا و کاں
صاحب کز خوان احسانش مدام — خلق را چوں نہر پر زر ہست جام
مجلے در دفترِ اول قلم — ساخت بر صفحات زرافشاں رقم
خاتمہ ہم فرحت از زیب تمام — یافت در تسطیر حسن ارتسام
ہست امید از خدائے ذوالکرام — تا شود مقبول طبع خاص و عام
شعر دویم در دفتر ایں علم گنج — در عدد دیدم برابر چار پنج
در نشاں بے رنج بیجوی ز گنج — پنج ہزار و پانصد و پنجاہ و پنج (۵۵۵۵)
نیز شعر ہر دو دفتر در شمار — یکصد اعنی و سی و دو با نہ ہزار (۹۱۳۲)
سال انگریزی لبے فرخندہ فال — یک ہزار و ہشت صد آغاز سال
نسبت ہندی شناسی سال خوش — یک ہزار و ہشت صد پنجاہ و شش
سال ہجری گشت روشن ہیچو مہ — یک ہزار و دو صد و ہم چار و دہ (۱۲۱۴ھ)

اشعار دفتر اول مسمیٰ بہ گنج شایگاں کہ در اتمام کتاب و بیان احوال مصنف و در وصف شہر عظیم آباد واقع شدہ

۱ شکر کایں مجموعۂ رنگیں کلام — یافت با صد زیب حسن انتظام
۲ خوانمش گلدستۂ باغ جناں — یا کہ دانم روضۂ جنت مکاں
۳ نے نے از مستی غلط کردم سخن — بد غلط شد ایں ہمہ تشبیہ من
۴ ہست ایں رعنا عروس گلعذار — وز گزارش کے کند عاشق کنار
۵ خال روئش نقطہائے انتخاب — خط خرتش جدول رخے کتاب

مقدم خود بہ سر افلاک داشت    بر سر خود افسر لولاک داشت
ہم ملک از غاشیہ داران اوست    ہم فلک از منطقہ بندان اوست
مدح وے از خامہ کے آید تمام    ہم ز وے الطاف و ز فرحت سلام

اشعار در مدح مخدوم شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ در صنعت مجمع البحرین

ایکہ دل از مدح تو دریائے ژرف    جاں بود از فیض تو درّ شگرف
وصف تو گلگونۂ روئے سخن    مدح تو مشاطۂ روئے سخن
رونق ملکِ سخن از روئے تست    تازگیٔ باغ من از جوئے تست
نام تو وردِ دل اربابِ ہوش    از خمِ فیضت ہمہ کس جرعہ نوش
مقبلِ حق حضرت سعدی توئی    راحت جاں مایۂ شادی توئی
ناطقہ از ذکر تو شیریں بود    روضہ ام از مدح تو رنگیں بود
خامۂ من مصرعہ برجستہ گشت    ریشۂ ریشۂ درکفم گلدستہ گشت
مصرعۂ فکرم پر پروانۂ ایست    نقطۂ کلکم دُرِ یکدانۂ ایست
خاطرِ من گل شد و طبعم چمن    بلبل من دال شد و مغزم سمن
مدح تو اکنوں کنم از چار بحر    تا شود از وصف تو گلزار بحر

انتخاب اشعار در صنعت چہار بحری

ایکہ شد از درّ تو زیب سخن    پر گہر از زرّ تو جیب سخن
قطرۂ از جوئے تو جود کثیر    ذرّۂ از خوئے تو مہرِ منیر
نفحۂ از خطّ تو مشکِ تتار    رشحۂ از نمّ تو ابر بہار

در صنعت سہ بحری

مدح تو از حد من آمد بروں    وصف تو از کدّ من آمد فزوں



کن نگہ از رافتِ خود سعدیا    بر رخم اینک درِ راحت کشا
مزرع امید من از لطف خویش    تازہ و سرسبز کن از لطفِ خویش
در سخن اے فرحت خوش گو مکوش    بلبل خوش نغمہ بنوا خموش
قصۂ از حاتم طی باز خواں    شہرہ جودش فگن اندر جہاں
از سرِ گنجینۂ دل ریز دُر    دامن عالم بکن از گنج پُر
بس سخن از حاتم طی می کنم    صنعت بحر ایں ہمہ طی می کنم

اس کے بعد حاتم طائی کا قصہ شروع کیا ہے

(۱۷) **الفت** رائے منگل سین قوم کایستھ باشندۂ عظیم آباد شاگرد قلندر بخش جرات لکھنوی تذکرہ عمدۂ منتخبہ نمبر ۳۱۶/۲ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ان کا ذکر یوں ہے۔

" الفت رائے منگل سین کایت تخلص، ذہین و خوش اختلاط شاگرد قلندر بخش جرأت و متوطن عظیم آباد چندے بعلاقہ دارد دار الخلافت (دہلی) گشتہ غزل طرحی در مشاعرہ خواندہ بود ایں شعر دریں مجموعہ ثبت نمودہ شد۔

اس طرح چھپ چھپ کے گھر جاؤ گے گر دو چار کے    مفت ہو جائیں گے یوں برباد گھر دو چار کے
ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز تھے    کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

تذکرہ سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ایک شعر پایا جاتا ہے۔ خم خانۂ جاوید میں ان کا ذکر محض مختصر ہے۔

(۱۸) **شورش** بابو گوبند لال عظیم آبادی ساکن محلہ دیوان قوم کایستھ۔ انہوں نے ایک ضخیم مثنوی فارسی میں اور ایک اردو میں لکھی تھی جو نایاب ہے۔

۱؎ من کا قافیہ کن کیا ہے۔ اختلاف توجیہ ہے۔

تاریخ شعرائے بہار میں اردو مثنوی کا یہ شعر درج ہے۔

کبھی میرا ٹھنہ بہشت بریں تھا  جواب اس کا دنیا کے اندر نہیں تھا

(۱۹) **شوق**۔ بابو شیو گوپال عرف کاکاجی ساکن عظیم آباد تجارت اور مہاجنی کا پیشہ کرتے تھے۔ گارسن دتاسی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ایک شعر پایا گیا وہ نقل کیا جاتا ہے۔

دامن کو تیرے خوں نہ رہے بن بھرے ہوئے  چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

(۲۰) **بیتاب**۔ سنتوکھ رائے باشندہ عظیم آباد۔ تذکرہ عشقی میں ان کو نازک مزاج اور کتب بینی کا شائق لکھا ہے

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے  نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر اور کلام درج کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سنتوکھ رائے المتخلص بہ بیتاب، از تذکرہ قائم معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود، معلوم نیست کہ الحال کجاست، درآں زماں زور طبعش بروزیہ مانند ہلال در ترقی بود، و ربط کلام راخوب می فہمید خدا ایش زندہ دارد، از وست ؎

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم  پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص  کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

⁂

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں  کہ خوباں یوں ہیں کہ دیں ہم ان کو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ گیا اودھر وہ مضطر ہو چلا آیا  عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں



سبزے پہ اس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک  اس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں ہے
جی میں ہے اس کی بات میں اب پھر نہ بولئے  لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

⁂

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی  کہ بن لیلی کہیں کھینچی نہیں تصویر مجنوں کی

⁂

میں کیا خلل نہ اٹھائے فلک کے کینے سے  کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھیو بیرحم  کہ سنگ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

⁂

عشق میں گاہے عسل گہ نیش ہے  نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

⁂

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے  نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

⁂

## رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے  مل مل کے غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر!  اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا مختصر حال اور ایک شعر درج ہے جو غالباً میر حسن کے تذکرہ سے ماخوذ ہے۔

---

سبزے پہ اس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک — اس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں ہے
جی میں ہے اس کی بات میں اب پھر نہ بولئے — لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

✤

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی — کہ بن لیلی کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی

✤

میں کیا خلل نہ اٹھائے فلک کے کینے سے — کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
تو اپنا دل سا مراد ل نہ سمجھیو بیرتم — کہ سنگِ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

✤

عشق میں گاہے عسَل گہ نیش ہے — نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

✤

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے — نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

✤

## رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے — مل مل کے غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر! — اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا مختصر حال اور ایک شعر درج ہے
جو غالباً میرحسن کے تذکرہ سے ماخوذ ہے ۔

---

# متوسطین ہندو شعرائے بہار

(۴۱) **اُلفتی** ۔ راجا پیارے لال ابن رائے سکھن جی قوم کا یستھ ماتھر
آبائی وطن سکندرہ متصل آگرہ تھا ۔ عرصہ تک دہلی میں رہے اسلئے خود کو
دہلوی لکھتے تھے ۔ اکبر شاہ ثانی کے منشی تھے رزیڈنٹ سے ناچاقی ہونے
کے سبب ترک ملازمت کرکے عظیم آباد چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے ۔
ایسٹ انڈیا کمپنی سے پندرہ سو چھتیس روپیہ سالانہ پنشن مقرر ہو گئی تھی
عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور انشا پردازی اور شاعری
میں مشہور تھے عظیم آباد اور اطراف بہار میں ان کے متعدد ہندو اور مسلمان
شاگرد تھے ۔ ان کے بعد بھی ان کے پوتے کنور سکھراج بہادر رحمتی کے وقت
تک ان کے سلسلہ کے شاگرد و اکثر تخلص میں یائے نسبتی کا التزام رکھتے تھے
چنانچہ رحمتی و عبرتی و حشمتی وغیرہ نے اپنے تخلص میں یہی رعایت ملحوظ رکھی
تھی ۔ الفتی کے خانگی کتب خانہ میں کئی ہزار نادر قلمی کتابیں تھیں ۔ خود ان کی
تصنیف سے مثنوی نیرنگ تقدیر اور مینا بازار کے علاوہ فارسی دیوان
غزلیات یادگار ہے ۔ فارسی دیوان کو ان کے پوتے رحمتی نے ۱۸۷۰ء
میں طبع کرایا تھا وہ راقم کی نظر سے گزرا ہے اور اسی کے کچھ اشعار بطور
مشتے نمونہ از خروارے اس جگہ درج کئے جاتے ہیں ۔ الفتی نے ۲۶ صفر ۱۲۵

وہ شبِ ماہ میں آئے ہیں جو افشاں چن کر      چاندنی دہری دکھاتی ہے بہار آج کی رات

خم خانہ جاوید میں بھی ان کا ذکر اور انہیں اشعار میں سے پانچ اشعار ہیں۔

(۲۳) **ضمیر**۔ کنور ہیرا لال خلف راجا پیارے لال الفتی مولد و مسکن عظیم آباد۔ درسیات عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے اور علم ہندسۂ اقلیدس، ہیئت کے علاوہ عروض میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چند سال محکمہ بورڈ کمشنر و افیون میں سررشتہ داری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا۔ اردو اشعار دیکھنے میں نہیں آئے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے۔

از سینۂ سوزاں بفلک نالہ فرستیم      وز دیدۂ گریاں بزمیں ژالہ فرستیم

تا نیک نشانش دہد از صورت عالم      نامہ بنو لیسیم و گل لالہ فرستیم

(۲۴) **تائب**۔ منشی بھگوان دین ابن منشی منگل سین قوم کالیستھ ساکن اررِیا ضلع پورنیہ تلمیذ منشی شنکر لال صبا ساکن ندوہ ضلع گیا۔ ۱۲۷۱ھ میں باون برس کی عمر میں انتقال کیا۔ تاریخ شعرائے بہار سے ان کے یہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم      پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں

ڈھونڈتا ہوں نہیں جو میں تائب      خانۂ دل سے وہ نکلتے ہیں

(۲۵) **خفی**۔ تخلص اور راجا بابو نام ساکن عظیم آباد، سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہے خنک از بس ہوائے گرم ساقی جلد آ      گرم صحبت ہو گی زیب انجمن ہو جائیگا

دیکھ سنبل کو چمن میں یاد آئے اس کے بال      حاصل اس گلگشت سے آخر پریشانی ہوئی



(۲۶) **شوق**۔ لالہ ٹیک پرشاد کالیستھ ماتھر ساکن عظیم آباد راجا پیارے لال الفتی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ذی علم اور مشاق شاعر تھے افسوس کہ ان کا کلام دستیاب نہ ہوا۔ لیکن ایک رسالہ موسوم بہ دھرم پالک جو از مکند لال رائے بہادر آنریری سرجن وائسرائے ہند کے رسالہ دھرم شاستر کے جواب میں ۱۸۹۷ء میں شایع ہوا تھا اس میں شوق کی ایک نظم ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے یہ جوابی رسالہ لالہ رفعت بہادر کالیستھ ماتھر عظیم آبادی کا مرتب کیا ہوا ہے اس میں ازدواجِ بیوگانِ نابالغ کو ہندو دھرم کے خلاف بتایا ہے۔

### نظم شوق

جو لکھوں تیری شان میں کم ہے      مظہر جود و فخر عالم ہے

آسماں تیرے آستاں پہ سدا      پئے تسلیم سر کئے خم ہے

مہر بھی تیرے آستانے پر      ذرہ ساں بندگی میں ہر دم ہے

ماہ طلعت تو اں کوئی تجھسا      دور ہیں چرخ پیر کے کم ہے

تیرے زور شباب کے آگے      صفت پیر زال رستم ہے

تیرے در کا گدا تونگر ہے      جام نقر اس کا ساغر جم ہے

نام نامی ترا سلیماں وار      نقش ہر دل پہ مثل خاتم ہے

بحر فیض آپ کا روانی میں      تشنہ کاموں کے واسطے یم ہے

ہیں تونگر بھی تیرے دست نگر      تو کرم میں سبھوں سے اکرم ہے

تیرا الطاف بہر دوست ہے قند      قہر تیرا پئے عدو سم ہے

گل ہیں خواہاں نسیم شفقت کے      ملتجی آبرو کی شبنم ہے

شوقِ خستہ کی یہ دعا حق سے      سحر و شام بس یہ ہر دم ہے
یا الٰہی اسے تو شاداں کر      مہر جب تک فلک پہ قایم ہے

(۲۷) **شکیب**۔ منشی ہیرالال عظیم آبادی مشاق اور صاحب تلامذہ شاعر تھے راے بیجناتھ پرشاد غنیمتؔ کے مشاعرہ کی قلمی بیاض مورخہ ۱۲۷۱ھ میں ان کی ایک غزل ملی جو اس جگہ درج کی جاتی ہے کملا پرشاد عاجزؔ انہیں کے شاگرد تھے۔

کس دن نہ ناک بھوں تری اے نازنیں چڑھی      اتری کب آستین جو تیوری نہیں چڑھی
شوخی سے اپنی گر گئی نظروں سے گل کے یہ      کیوں شاخِ گل پہ بلبلِ اندوہگیں چڑھی
مر کر بھی ہم اٹھیں گے نہ کوچہ سے یار کے      اپنی تو ہے نظر پہ یہی سرزمیں چڑھی
دامن چھوا جنہوں نے سران کے اتر چکے      اب کب تلک رہیگی تری آستیں چڑھی
گل دیکھنے کے لالے پڑیں گے اے عندلیب      صیاد کی نظر پہ اگر تو کہیں چڑھی
رہ جائیں گے دھرے یہ رقیبوں کے داؤ پیچ      اک شب گر اپنی گھات پہ وہ مہ جبیں چڑھی
کیونکر نہ اس غزل پہ ہمیں ناز ہو شکیبؔ      فکرِ رسا سے چرخ پہ اس کی زمیں چڑھی

(۲۸) **شوکتی**۔ کنور باج بہادر پسر دوئمیں کنور ہیرالال ضمیرؔ عظیم آبادی و نبیرہ راجہ پیارے لال الفتیؔ ان کا کلام دستیاب نہ ہوا لیکن ان کی تصنیف سے ایک رسالہ موسوم بہ محیط القوافی ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ان کے وارث کنور جگ بیش بہادر کے پاس راقم نے دیکھا تھا اور اس کے دیباچہ اور ترقیمہ کو نقل کر لیا تھا اس میں اور ضروری باتوں کے علاوہ خود ان کی صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس عہد کے چند مشاہیر شعرا کا بھی ذکر ہے اسلئے اس کو اس جگہ درج کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔



"امابعد ہرزہ گوے بادیہ گردِ وحشت و پریشانی پریشاں نگار صحرا نوردِ جہل و نادانی کنور باج بہادر متخلص بشوکتی دوئمیں پور جناب کنور ہیرالال ضمیرؔ ارشد خلف راجہ پیارے لال قبلہ الفتیؔ دہلوی چنیں میگوید کہ درآوانِ تحصیلِ ایں مجنونِ دلباختہ بیلاے سخن رانچہ از قواعد قوافی در رسایل معتمد اساتذہ متقدمین و متاخرین مثل حدایق المعجم من تصنیف محمد بن قیس و رسالہ معیار الاشعار من تصنیف محمد حسن خواجہ نصیرالدین طوسی و رسالہ قافیہ من تصنیف مولانا جامی و رسالہ قافیہ من تصنیف ملا کاہی نفایس الفنون من تالیف محمود بن محمد الآملی و حدایق و رسالہ وافیہ من تالیف شمس الدین فقیر و رسالہ کافیۂ القافیہ من تالیف محمد تقی اوحدی البنانی و رسالہ قافیہ عطا اللہ من تالیف عطا الدین محمود الحسینی و رسالہ مخزن الفوائد تالیف محمد من خالق بن غلام حسین و رسالہ کامل العروض من تالیف قدرت احمد بن حافظ عنایت احمد و رسالہ قافیہ من تالیف محمد روشن متخلص بہ جوشش و دریاے لطافت انشا و قتیل و رسالہ چہار شربت من تالیف خاص مرزا قتیل و مرآت القوافی من تالیف شاہ بخشش حسین وحشتی من تلامذہ جناب راجہ پیارے لال الفتیؔ دہلوی و تقویت الشعرا من تالیف امام الدین طالب بہ نظر در آمدہ و ہم از بانِ مبارک سرخیل کاروان نکتہ دانی و سر دفتر نکتہ رسانِ الفاظ و معانی فرید دہر و حید عصر استاد ما حضرت عبرتیؔ میر وزیر علی صاحب قبلہ مدظلہ شنودہ بخاطر فاطر محفوظ داشت و از عرصہ دراز خیلے متمنی و آرزومند بود کہ آنچہ راجع اشعار اشد و اختلاف مذاہب لطرزے کہ موجب بصیرت مبتدیان ایں علم گردد جمع کند و از خود بصفحۂ زمانہ یادگارے

گزارد اما از شدت پریشان خاطری نقش ایں تمنا صورت نمی بست اکنوں کہ ۱۲۶۹ھ یکہزار دو صد و شصت و نہہ از ہجرت النبوی است نظر بہ تعلیم عزیز برخوردار خود کنور رگھوراج بہادر ارفعہٗ اللہ تعالیٰ علماً نافعاً و فہماً کاملاً و عقلاً سلیماً و ہم باظہار فرط وسع و شوق باعیان حدیقہ سخن چمن پیرائے حقایق ایں نادرہ فن مشفقی سید تصدق حسین صاحب زاد لطفہ کہ بار ام بس مہر فرد شیہا دارد ایں ہمہ را فراہم نمودہ۔ بجائے فصل منقسم بدہ چشمہ و یک مقدمہ و خاتمہ ساختہ رنگ تسوید داد و مسمیٰ بہ نخبۃ القوافی ساخت۔"

ترقیمہ " بخط خام بندہ کنور راج بہادر خلف کنور ہیرا لال صاحب قبلہ ضمیر بیکنٹھ باشی نبیرہ جناب راجہ پیارے لال صاحب قبلہ الفتی دہلوی بیکنٹھ باشی بمقام عظیم آباد کوچہ فرخ خاں متصل مسجد عنبر۔"

یہ نادر رسالہ دیسی اردلی کاغذ پر لکھا ہوا تھا تخمیناً ڈھائی سو صفحے ہوں گے اور ہر صفحہ ۱۱ × ۸ انچ ہوگا۔

(۲۹) رفعتی۔ منشی سمبودت کالیستھ امسٹ ساکن موضع موساپور پرگنہ سربسا (مظفر پور) راجہ پیارے لال الفتی کے شاگرد تھے۔ تاریخ آئینہ ترہت میں ان کا صرف اس قدر ذکر ہے:۔

" منشی سمبودت کالیستھ امست ساکن موضع موساپور پرگنہ سرسیا مرد شریف و نجیب عالی خاندان تھے علوم عربیہ و فارسیہ سب کچھ جانتے تھے اپنی برادری میں طاق تھے منشی گیری میں شہرہ آفاق تھے۔ راجہ پیارے لال عظیم آبادی کے شاگرد تھے دربار میں مہاراجہ چھتر سنگھ بہادر دربھنگا (۱۲۱۳ فصلی تا ۱۲۴۶ فصلی مطابق ۱۸۳۹ء) کے نوکر تھے۔ مر گئے



راقم کو معلوم نہیں کہ ان کے وارث ہیں یا نہیں۔"

اتفاق سے اجاگر چند الفت کے دیوان میں ان کا کہا ہوا ایک قطعہ ضروری عبارت کے ساتھ خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا نظر سے گذرا وہ بجنسہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے اس سے ان کی قابلیت اور صلاحیت پر روشنی پڑتی ہے۔

" قطعہ مسمیٰ بہ کارنامہ در وصف و سال بنا، چاہ در بحر ہزج بزحافات از افکار بندۂ بیچمدان سمبودت متخلص بہ رفعتی۔

تا ہر گو بند گوشش چہ بختہ نمود — از سال بنا و وصف وے طبع فہیم
از فصلی و ہجری و مسیحی سمبت — ہر چار دریں دو بیت کردم ترقیم
چاہ بصفا زمزم و سرد و خنکے — شیریں بمزہ آمد از آب تسنیم

۱۲۳۲ فصلی — ۱۲۴۰ ہجری

خوش بامزہ و الذ لبسے ہچو زلال — کوثر بہ لطافت وے آبست حمیم

۱۸۸۲ سمبت — ۱۸۲۵ عیسوی

تطبیق سنین چارگانہ باہم — تا حال ندیدہ شد ز اسلاف قدیم
انصاف کہ رفعتی چہ در سفتہ بدیع — ایں طرز چو الفتی نمودش تعلیم
ساکا شود۔ عیاں بطرز توشیح — با دل چو تاملے کند طبع سلیم

ساکا بطریق توشیح۔ ۱۷۴۷

مخفی نماند کہ ایں طرز تاریخ از مخترعات الفتی است مد ظلہ و تفصیل آنکہ چوں اعداد حروف اوایل و اواخر ابیات بطریق توشیح با دل لفظ طبع حرف باست (ب) و مصرعہ آخر مشعر براں است جمع آرند ساکا سال،

کہ در تقاویم ہندیہ مندرج است بہم می رسد واز چہار مصاریع اواسط کہ مشتمل بر وصف آب و بنائے چاہ است از مصرع اول سال فصلی واز دوم ہجری واز سوم سمبت واز چہارم عیسوی می برآید فافہم۔

سا کا سال اس طور پر نکلتا ہے کہ ہر شعر کے اول اور آخر حرف کے عدد کو جمع کر کے لفظ طبع کے دل یعنی درمیانی حرف ب کے دو عدد کو جوڑ دینے سے ۲۴۷۱ ہوتے ہیں۔

(۳۰) **پانڈے** موہن لال ساکن بیکنٹھ پور متصل خسرو پور۔ اردو کے اچھے شاعر تھے سنہ ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۶۷ء میں انتقال کیا گورنر جنرل ہیسٹنگس کے منشیوں میں تھے۔ ہیسٹنگس نے کتاب انشائے ہرکرن کا ایک قلمی نسخہ بھی ان کو بطور تحفہ دیا تھا جو ان کے ورثا کے پاس موجود تھا۔ ایک عرصہ تک پورنیہ میں قانون پیشہ کی حیثیت سے مقیم رہے اور اس پیشہ میں اس قدر فروغ پایا کہ بہت سی خاندانی ملکیت جس کو ان کے بزرگوں نے فضول خرچی سے کھو دیا تھا دوبارہ حاصل کی۔ ان کے حالات اور شاعری کا ذکر ایک مطبوعہ انگریزی رسالہ (مولفہ پانڈے رام چندر سہائے ام۔ اے۔ بی۔ ال) میں راقم کی نظر سے گزرے۔ یہ رسالہ پانڈے دیو ندر سہائے صاحب عرف ڈیوک بابو آنرری مجسٹریٹ ساکن خسرو پور نے راقم کو دکھایا جو پانڈے موہن لال کے خاندان سے ہیں۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ زیادہ قرینہ ہے کہ اردو کلام ضایع ہو گیا لیکن ممکن ہے کہ دوسرے قرابت مندوں کے پاس کچھ محفوظ رہ گیا ہو۔

ان کا سنہ ولادت ۱۸۰۳ء جو مذکور ہوا وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا



اسلئے کہ لارڈ ہیسٹنگس سنہ ۱۸۱۳ء میں گورنر جنرل ہو کر آئے اور پانچ برس سے کچھ زیادہ یہاں رہے اس وقت پانڈے موہن لال کی عمر پندرہ سال کے قریب ہو گی اور اس عمر میں گورنر جنرل کا منشی مقرر ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۳۱) **محنتی**۔ منشی ہر بیر ناتھ باشندہ عظیم آباد۔ تحفۂ انجمن رحمتی یعنی رحمتی کے مشاعرہ سنہ ۱۲۲۵ھ کے گلدستہ میں ان کو "از کہین تلامذہ جناب پیارے لال صاحب الفتی" لکھا ہے۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے۔ الفتی کے انتقال کے بعد یہ میر وزیر علی عبرتی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کہتے تھے۔ مشاعرہ سوم و چہارم کے گلدستوں سے ان کا کلام اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

## غزل فارسی

تو با من کردگارِ من چہ کردی — چنیں بد روزگارِ من چہ کردی
چاں لا تقنطو اگر دد یقینم — نجاتم از چہ کارِ من چہ کردی
حذر کردم بہ نامشروع و ممنوع — دے آمرزگارِ من چہ کردی
قوی می داشتم امید الفت — زبوں حالِ نزارِ من چہ کردی
چو کردم اعتراف از جرم و توبہ — عطائے خویش و کارِ من چہ کردی
دل و دیں باختم در عشق لیکن — نہ گفتی دلفگارِ من چہ کردی
ندانستم کہ چندیں بیوفائی — سخن با غیر یارِ من چہ کردی
رخت بینم گلِ روئے تو چینم — دگر ہیچ از تو یارِ من چہ کردی
ہدف کردی مرا از تیر مژگاں — چہ منت بر شکارِ من چہ کردی
نباشد محنتی را جز تو یارے — بکن رحمے نگارِ من چہ کردی

## اردو

کب تک رہوں خستہ تن ہمیشہ        مغموم بلا محن ہمیشہ

لیلیٰ کے فراق میں بصد آہ        مجنوں رہا نعرہ زن ہمیشہ

شیریں نے کیا کبھی نہ کچھ رحم        محزوں رہا کوہکن ہمیشہ

یوسف کی تلاش میں تو یعقوب        سونگھا کیا پیرہن ہمیشہ

کیا سود پڑھوں لکھوں جنوں میں        افسانۂ نل دمن ہمیشہ

اے چرخ مری مسافرت میں        کیوں ہوتا ہے راہزن ہمیشہ

ایام شباب میں روا ہے        سب رندی و بانکپن ہمیشہ

استاد کی تربیت سے مجکو        ہے مشق و کمالِ فن ہمیشہ

یا ربّ جلیل رحمتی کا        سرسبز رہے چمن ہمیشہ

اب عشق میں محنتی کو شیدا        سب کہتے ہیں مرد و زن ہمیشہ

---

در جنونم چو سر مہر بتانم دادند        طپش خاطر و صد درد نہانم دادند

تا مرا عشق بت سرو چمانم دادند        قامتش از قد شمشاد نشانم دادند

عشوہ و غمزۂ او نوک سنانم دادند        ابرو و آہ مرا تیر و کمانم دادند

در ہوایش چو مرا شور فغاں گشت فزوں        کاکل و زلفِ دوتا بند گرانم دادند

ز آتش ہجر مرا سوز و گداز است ولے        وعدۂ وصل تو ام تاب و توانم دادند

ہر چہ رفت از تو ستم نیست مرا شکوہ و رنج        حیف بر حکم قضا آنچہ ندانم دادند

گفتم از ساقی کوثر کہ بدہ آب زلال        بادۂ ہوشش با عجب نم دادند

محنتی ہرزہ مپو بادیۂ عشق بلاست
کوچۂ یار مرا جائے امانم دادند

---

(۳۲) **دھرم** منشی دھرم لال ساکن داناپور پٹنہ ۱۸۸۴ء کے قریب مشق سخن کرتے تھے گلدستہ بہار مرتبہ عطا بہاری و عاصی بہاری میں ان کی یہ غزل شایع ہوئی تھی۔

چلا چل کوچۂ جاناں میں اے دل شادماں ہو کر        کبھی آ جائیگا وہ بھی ترے گھر میہماں ہو کر

تم اپنے کشتہ کو صاحب ذرا آ کر جلا دو تو        کہاں تم بھاگے پھرتے ہو مسیحائے زماں ہو کر

نہ تم سا خوبرو میں نے کہیں پایا زمانہ میں        بہت دیکھا زمانہ کو پھرے اصفہاں ہو کر

تمہارے حسن نور افزا نے کیں آنکھیں مری روشن        کہاں جاؤگے اے پیارے ان آنکھوں سے نہاں ہو کر

گلستان جہاں میں بوئے الفت کی نہیں باقی        رہے یہ بلبل نالاں تباہ اب کہاں ہو کر

تپاں ہوں صورت بسمل خدا کے واسطے قاتل        لگا وہ خنجر براں کہ نکلے استخواں ہو کر

گل و بلبل کے نظارہ سے کب وہ شاد ہوتے ہیں        گئے جو باغ جنت میں یہاں سے بوستاں ہو کر

مجھے دست حنائی یار کا جب یاد آتا ہے        تو اک مدت رہا کرتی ہیں آنکھیں خونفشاں ہو کر

دھرم کی آرزو یہ ہے کہ تیرے باغ سے اے گل        نہ نکلوں صورت بلبل رہوں میں باغباں ہو کر

(۳۳) **فقیر** ۔ لالہ لوکناتھ سہائے ساکن موضع بچونا پرگنہ نرہٹ ضلع گیا۔ ۱۸۸۴ء کے لگ بھگ مشق سخن کرتے تھے گلدستہ بہار میں ان کی غزل شائع ہوئی تھی۔

گیا ہے سیر گلشن کو جو وہ خندہ دہاں ہو کر        یہ دل کھلا رہا ہے مثل غنچہ بے زباں ہو کر

مجھے درد و الم میں چھوڑ کر غیروں سے ملنے کو        چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر

سنا جاتا ہے کل پھر گلبدن جائیگا گلشن میں        بھلا ہے باغ میں پہلے سے رہنا باغباں ہو کر

ہمیشہ آپ کو ہم جان کا مونس سمجھتے ہیں        نہیں لازم ستم کرنا ندیم دشمناں ہو کر

خیال زلف میں اسکے رہا ہیں شام سے بے خود        نگہباں وہ رہا شب بھر کے گھر میں پاسباں ہو کر

نہ پرساں ہے کوئی حسن کا اے یوسف ثانی    ہوا بازار ارزاں آپ کا پہلے گراں ہوکر

رسائی غیر ممکن ہے فقیر اس شاہ کے گھر میں    اگر ہے شوق ملنے کا تو جا اب تا بداں ہوکر

(۳۴) تحمیل۔ لالہ لچھمی نراین۔ محلہ دھولپورہ میں کچھ عرصہ تک مقیم تھے اور عدالت میں وکالت کرتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی ایک مزاحیہ غزل ایک بیاض میں جو فی الحال پٹنہ یونیورسٹی کی ملک ہے پائی گئی وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

ہر قطرہ سرشک کو گوہر بنا دیا    آنکھوں نے اپنی ہم کو دھقہ تر بنا دیا

اب تم مجھے ستاتے ہوئے جان کس لئے    کیڑے تمہیں بنا دے زیور بنا دیا

ہوتا ہے مجھے بھی قرب وہ محمل نشیں کا    اللہ نے نہ کیوں مجھے اختر بنا دیا

آتے ہیں جھوم جھوم کے اس دریہ ابر غم    آنکھوں نے میری ہنھیا نچھتر بنا دیا

فیصل ہوا نہ رنج و الم کا مقدمہ    گو دل کو میں نے ڈپٹی کلکٹر بنا دیا

کم ظلِ بوم سے نہیں یہ تو وکیل کا    جس باغ پر پڑا اسے کھنڈر بنا دیا

(۳۵) پرشن۔ منشی پرشن لال ساکن موضع پچونا پرگنہ نرہٹ ضلع گیا ۱۸۸۰ء کے قریب مشق سخن کرتے اور ان کا کلام گلدستہ بہار میں جس کو شاہ عطا حسین صاحب عطا بہاری اور شیخ محمد خیرات حسین صاحب عاصی نے قصبہ بہار سے جاری کیا تھا شایع ہوا تھا اس گلدستہ کا ایک پرچہ نمبر ۴۶۹۵ کتب خانہ مشرقی۔ پٹنہ میں ابتک محفوظ ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

چلو اب بہر استقبال اس بت کے تم اے پرشن    سنا ہے وہ چلا آتا ہے میرا میہماں ہوکر

(۳۶) اختر۔ لالہ درشن لال صاحب۔ منشی پرشن لال پرشن کے بھائی تھے اور انہیں کے کلام کے ساتھ ان کی غزل بھی شایع ہوئی تھی ایک غزل یہ ہے۔



لکھا ہے ایک خط اس نے مجھے بھی شادماں ہوکر    کیا تحریر احوال اس میں اپنا مہرباں ہوکر

یہ ساعت تھی بہت احسن جو قاصد لے کے خط آیا    پڑھا میں نے دل و جاں سے اسے کیا شادماں ہوکر

لگاتے ہی ترے خط کو منور ہوگئیں آنکھیں    سواد خط نے بخشا نور مجھکو نور جاں ہوکر

مرے گھر میں ہوا مہماں جو وہ غیرت گلشن    کھلا میرا دل پژمردہ مثل بوستاں ہوکر

کیا اختر کو جیسا شاد اے دلبر سی عنواں    کرو آنکھیں منور عاشقوں کی نور جاں ہوکر

(۳۷) فطرت۔ منشی بہاری لال ولد بابو جے کشن لال بن منشی من ہری لال بن منشی سروپ سنگھ قوم کایستھ سری باستو ساکن و زمیندار قصبہ دربھنگا وکیل عدالت منصفی صرف و نحو عربی مولوی امیر علی الہ آبادی سے اور کچھ دن مولانا امام شاہ اور مولانا بہرام شاہ سے پڑھی تھی اور فارسی میں طغرا و مینا بازار و پنج رقعہ و وقایع نعمت خان عالی و قصاید بدر چاچ و دیوان غنی و تصانیف ابو الفضل و کلیات خاقانی و دیوان انوری و ناصر علی کا درس بھی مولوی امیر علی ہی سے لیا تھا۔ اردو شاعری میں مولوی مرشد حسن کامل مظفرپوری کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۸۵۸ء میں وکالت کا امتحان دیگر منصب وکالت درجہ دوم حاصل کیا۔ ۱۸۷۶ء میں آنرری مجسٹریٹ درجہ سوم مقرر ہوئے۔ دوسرے سال وکیل سرکاری کے عہدہ پر کام کرنے لگے۔

۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء موافق ۱۹۳۷ سمبت میں انھوں نے کتاب آئینہ ترہت تالیف کی جس میں ترہت کے تاریخی واقعات کے علاوہ بہتیرے نامور اشخاص کے حالات بھی درج کئے ہیں۔ خود ان کے حالات اور نمونہ کلام اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ غزل ملاحظہ ہو۔

روئے تاباں کو جو دیکھا بولے قامت دیکھئے ۔۔۔ آفتاب حشر تو دیکھا قیامت دیکھئے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم اور آپ چھپتے پھرتے ہیں ۔۔۔ اپنی نفرت دیکھئے اور مری رغبت دیکھئے

جوڑتے ہیں ہاتھ ہم تم پاؤں دکھلاتے نہیں ۔۔۔ اپنی نخوت دیکھئے اور میری منت دیکھئے

جان ہم دیتے ہیں اور تم کھینچتے ہو تیغ تیز ۔۔۔ میری الفت دیکھئے اپنی عداوت دیکھئے

ہر گھڑی نام خدا اس بت کو رہتی ہے فکر ۔۔۔ جو ٹی کنگھی کیجئے اور اپنی صورت دیکھئے

تم نے مجھی تک نہ دی اور ہم نے دل تک دیدیا ۔۔۔ میری ہمت دیکھئے اور اپنی ہمت دیکھئے

ہاتھا پائی جب میں کرتا ہوں تو کہتا ہے طفل ۔۔۔ میری طاقت دیکھئے اور اپنی طاقت دیکھئے

ہم تو کہتے ہیں صفت اور آپ گالی دیتے ہیں ۔۔۔ میری عادت دیکھئے اور اپنی عادت دیکھئے

بوسۂ رخسار مانگا تو یہ فرمانے لگے ۔۔۔ جا کے منہ دھو آیئے اور اپنی رویت دیکھئے

آپ غیروں سے تو ناحق روز بخشا کرتے ہیں ۔۔۔ اپنی عزت دیکھئے اور ان کی عزت دیکھئے

جانب آئینۂ زانو جو دیکھا بول اٹھے ۔۔۔ مثل آئینہ کہیں ہوئے نہ حیرت دیکھئے

پیار کی نظروں سے تو کب دیکھتے ہیں آپ ادھر ۔۔۔ چتونوں سے قہر ہی کے ہوئے فطرت دیکھئے

(۳۸) **شبنم۔** بابو بدری ناتھ بابو بہاری لال فطرت کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے خلیق اور سلیم الطبع تھے۔ فارسی اور اردو میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ شاعری میں مولوی مرشد حسن کامل کے شاگرد تھے۔ اپنی ذہانت سے ایک قسم کے حروف ایجاد کئے تھے جس میں خط و کتابت بہت اچھی طرح ہو سکتی تھی۔ آئینۂ تربت میں ان کی کئی غزلیں مندرج ہیں بعض اشعار اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

غیروں کو جو تم پاس بٹھاتے ہو خوشی سے ۔۔۔ یہ رنج تو بندہ سے اٹھایا نہیں جاتا

کہتے ہیں وہ جب بوسۂ رخ مانگے شبنم ۔۔۔ یہ وہ ہے خزانہ جو لٹایا نہیں جاتا



جو سوز دل زار لکھنے لگے ۔۔۔ قلم بن گیا شعلہ جھڑی ہاتھ میں

تصور ہے شبنم جو مضمون کا ۔۔۔ قلم رہتا ہے ہر گھڑی ہاتھ میں

(۳۹) **فقیر۔** منشی کیولا پرشاد ساکن مظفرپور۔ بڑے ذی علم شاعر وادیب اور خوش نویس تھے۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور اردو میں پوری دستگاہ رکھتے تھے اور خوشنویسی میں خورشید رقمی مشہور تھے صوفیوں سے خاص شغف اور عقیدت رکھتے تھے چنانچہ حضرت سید شاہ علیم الدین بلخی قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ فردوسیہ فتوحہ سے مخلصانہ اور عقیدت مندانہ مراسلت رکھتے تھے۔ موجودہ سجادہ نشین عزیزی حکیم شاہ سید تقی حسن بلخی سلمہ اللہ تعالیٰ کے کتب خانہ میں فقیر کا کچھ کلام اور دست خاص کی لکھی ہوئی وصلیوں میں فقیر کے طبع زاد اشعار اور فقیر کا ایک خط موجود ہے ان کی نقلیں آئندہ سطور میں درج کی جائیگی۔ گزشتہ سال اردو نمائش میں ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ اور اس کے ساتھ ایک مثنوی جس میں انہوں نے اپنی سرگزشت لکھی ہے پیش کی گئی تھی اس کے اشعار سے معلوم ہوا کہ راجا رام نراین موزوں اور ان کے بھائی راجا دھیرج نراین ان کے بزرگوں میں تھے بعض اشعار یہ ہیں۔

ہیں احوال اپنا لکھوں مختصر ۔۔۔ نہیں کذب کا اس میں کچھ ہے اثر

کہ تھے از بزرگاں من رنگ لال ۔۔۔ دو فرزند ان کو لکھوں ان کا حال

(دو فرزندوں سے رام نراین اور دھیرج نراین مراد ہیں)

دویم وارث از روئے ہمیشگی؟ ۔۔۔ ولے بخت سے مجکو شرمندگی؟

نہیں ہے معاش و نہیں ملکیت ۔۔۔ مگر اک وجہ رزق زیں کیفیت

ہوے جبکہ ناظم مہاراج فرد　　　کہ از حاکمانِ سلف سبق برد
ہوئے تھے مہاراج معزول جب　　　ہوا ضبط جاگیر بھی اس سبب
مشاہرہ مقرر ہوا کچھ قلیل　　　کہ گزرا برس دو برس اس سبیل
ہوئے جب مہاراج بیکنٹھ باش　　　ہوا قبضے میں جملہ ان کا معاش
کہ تھے وارث از روئے شہمینگی　　　ریاست سے گزری بفرخندگی
کہ اسم ان کا تھا راے نبواری لال　　　نہ تھی کچھ کمی ان کو دولت و مال

آگے چل کر انھوں نے لکھا ہے کہ یہ نبواری لال کے وارث تھے لیکن ان کی وفات کے وقت کم سن ہونے کے سبب مخالفت نے جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ فقیر کے دیوان کا کاتب اپنا نام شتاب راے ساکن لودیکٹرہ پٹنہ بتاتا ہے کتابت ۱۲۴۷ سنہ فصلی کی ہے۔ اس دیوان میں ایک رباعی دیا بہادر نجفی کی بھی ہے جس کی آخر بیت یہ ہے۔

"بیہودہ نہ کر تو فکرِ دنیا نجفی　　　کر عیش جہاں میں زندگانی جب تک"

معلوم نہیں دیا بہادر نجفی کون تھے۔

کتب خانہ خانقاہ فتوحہ سے جو کلام اور وصلیاں دستیاب ہوئی ہیں ان میں فقیر کی تصنیف سے ہفت بند نعت شریف ہے جس کے صفحہ اول پر یہ عبارت ہے۔

"بعنایت الٰہی ہفت بند نعت شریف فقیر عاصی کیولا پرشاد خورشید رقمی طبع زاد خود بقصبہ مظفرپور قلمی نمود سنہ ۱۲۸۶ ہجری"
اس کا اول بند یہ ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام اے فیض ذاتت باعث دنیا و دیں　　　السلام اے ذات پاکت رحمۃ للعالمیں
السلام اے مقصد تنزیل قرآن مبیں　　　السلام اے وصفِ شانت طٰہٰ و یٰسیں
السلام اے بارگاہت بارگاہ کبریا　　　السلام اے آستانت مہبط روح الامیں
السلام اے بادشاہ انبیاء و اولیا　　　السلام اے عتبہ ات بالاتر از عرش بریں
السلام اے شوکت تاج و علم لوح و قلم　　　السلام اے جلوۂ تو نور خالق بالیقیں
نام تو تسبیح باشد ہر ملک را بر فلک　　　رشتۂ آں ربقۂ اسلام با حبل المتیں
سرورا ہر دو سرا از رحمتت امیدوار　　　رحمت للعالمینت گفت رب العالمیں
از طفیل خیر تو معدوم شد شر از جہاں　　　تو خدا فرمود در شانِ تو خیر المرسلیں
درود دارد ہر نفس ثنا را فقیر بے نوا　　　یا محمدؐ مصطفےٰ و یا علیؑ مرتضےٰ

آخری بند یعنی بند ہفتم کے بعد جلی حروف میں فقیر کی یہ رباعی ہے ان کے دستخط کے ساتھ ہے۔

ہے نقل ہفت بند وظیفہ فقیر کا　　　منشی ہوں پاسِ تخت جناب امیر کا
مولا نے وہ عروج دیا اس فقیر کو　　　چکرا رہا ہے ہوش فلک پر دبیر کا
(از فکر فقیر کاتب الحروف)

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ان کے ہاتھ کی لکھی ایک رباعی اس قدر خوبصورت نستعلیق میں لکھی ہوئی ہے کہ اگر یاقوت المستعصم زندہ ہوتا تو اس کی پوری داد مل سکتی تھی۔ دیکھنے والوں کا اس صفحہ سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ بہرکیف اس کی نقل یہ ہے۔

## بعنایت الٰہی

اے کشورِ عیش زیرِ فرمانِ تو باد — بر خلق و جہاں ہمیشہ احسانِ تو باد
ذاتِ تو مقدس است و مقبولِ خدا — ایں عبد و ہزار عبد قربانِ تو باد

(بندہ عقیدت نہاد کیولا پرشاد خورشید رقمی)

نقل خط (بنام سید شاہ علیم الدین بلخی قدس سرہ)

بحضور معدن النور جناب قبلۂ دنیا و دین و کعبۂ صداقت پیشگان واثق الیقین دام کہنہ و کرامتہ۔

آداب و تسلیم فدویانہ و عقیدتمندانہ بجا آوردہ عرض میرساند کہ بافضال الٰہی و باقبال جناب عالی مقرونِ خیریت بودہ بدعاے دولت مصروفست مستدعیست۔ پس از مدت مدید بورود مہربانے یار شفیق سراپا دانش و تمیز یعنی منشی عبدالعزیز صاحب خیر و عافیت مزاج مبارک دریافتہ شکر خداوند کریم بجا آوردہ و بافضال بندگان حضور کمترین از عوارض لاحقہ شفاے کلی یافت و آداب شکرانہ ی رساند قبول خدمت بندگان عالی یاد و زبانی مولوی فضل حق صاحب شنیدہ بود کہ دایرۂ دولت بندگان حضور جلوہ پیراے ایں دیار خواہد بود حقا کہ کمال آرزو داشت مگر شومی طالع محروم ساخت باز معلوم شد کہ بعد ایام برشگال قدوم فیض لزوم رونق افزاے ایں سواد خواہد بود دیدہ باید کہ آں روز کدام روز خواہد بود کہ گرد نعلین شریف سرمۂ چشم خواہد نمود و امیدوار کہ بندۂ عقیدت نہاد حضور فیض پر نور از عنایت کریمانہ محروم نماند زیادہ حد ادب۔

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم — طوطیاے چشم سازم دمبدم



عرض فدوی نیاز عاصی کیولا پرشاد خورشید رقمی دہم شہر ذالحجہ سنہ ۱۲۸۲ھ از قصبہ مظفرپور۔

عرض مکرر اینکہ از ٹکٹ اکثر خطوط تلف شدہ است بنابر بلا ٹکٹ بیرنگ ارسال داشت۔

### رباعی (بعنایت الٰہی)

فرض ہے مومن کو مرنا ماتم حسنین میں — اس سے بہتر مرگ کی صورت نہیں کونین میں
یا علی یہ بندہ عاجز فقیر بینوا — ہو فدا حسنین پر عشرہ کے شور و شین میں

(از فکر فقیر کاتب الحروف کیولا پرشاد خورشید رقمی)

ولہ

کہتے ہیں عزا کو کہ صنع کرتے ہیں — مجبور ہیں ہم سن کے تنغ کرتے ہیں
ایماں ہے فقیر بس عزاے حسنین — کافر ہیں وہ جو اس سے منع کرتے ہیں

(از فکر فقیر کیولا پرشاد خورشید رقمی متخلص بفقیر

فقیر کی وصلیوں کے علاوہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہفت بند کاشی کی ایک نقل بھی نظر سے گذری۔

(۴۰) **جنگ بہادر**۔ متخلص باسم خود۔ راے کالکا سہاے رئیس اعظم موضع بھکرا ضلع مظفرپور کے بیٹے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں تصنیف و تالیف کا ذوق رکھتے تھے ان کا خاندان ترہت میں بہت ممتاز تھا۔ ان کے اجداد عہد سلاطین تیموریہ میں علاقہ ترہت کے صدر قانون گو تھے خود راے جنگ بہادر انگریزوں کے عہد میں آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ پر ممتاز تھے تاریخ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۳۲ء دریافت ہوئی ہے۔ ان کی تصانیف سے

کئی کتابیں تھیں جو اب نایاب معلوم ہوتی ہیں کلام بھی نایاب ہے۔ بڑی تلاش کے بعد ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ایک قصیدہ نظر سے گزرا جو فی الحال پٹنہ یونیورسٹی میں موجود ہے وہی اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

یہ قصیدہ ۱۲۶۵ھ میں مظفرپور میں نمائش کے موقع پر گورنر جنرل اور حکام ضلع کی مدح میں کہا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی تصنیف سے ایک رسالہ عربی میں موسوم بہ سرور المحزونین مورخہ ۱۲۸۰ھ بھی راقم نے پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ کر دیا ہے اس سے ان کی عربی دانی اور علم تصوف سے شغف کا پتا ملتا ہے۔

قصیدہ در ذکر مدح جناب لاٹ صاحب گورنر جنرل بہادر و محامد حاکمان ضلع و ارباب کمیٹی نمائش گاہ مقام مظفرپور ضلع ترہت چکیدۂ خامۂ بندہ جنگ بہادر۔

پیدا کیا جو داور دوار نے جہاں
کتم عدم سے جلوہ خلقت کیا عیاں

علم و ہنر سخاوت و اقبال و مردمی
بخشا خدا نے عالم انساں کو بیگماں

بر وضع ہر کسی کی نہیں یک نمط یہ چیز
بیشک کمی و بیشی ہے ہر فرد میں عیاں

جس پر کہ لطف حضرت پروردگار ہے
عنصر میں اس کے پانچوں مرکب ہیں بیگماں

شام و عراق و روم و خراسان ملک چیں
تاتار اور ختن و خطا اور سیستاں

تا وسع ڈھونڈا عقل نے عنقا سے علم کو
پایا نہ غیر خطہ یورپ میں کچھ نشاں

لاریب وہ زمین ہے گنجینۂ علوم
ہر علم و ہر ہنر میں ہے سبقت سبھوں کو واں

ہنو سواد اس کو جو کہئے تو ہے بجا
یا غیرت ارم کہوں یا رشک جناں

شہر اس کے ہیں نفیس کہ رضواں بھی دیکھ کر
قطرات سلسبیل میں خجلت سے ہو نہاں



شادابی اور شگفتگی نزہت فزا ہے
جس کی نسیم سے ہے معطر مشام جاں

جنت کا کیوں گماں نہ ہو آثار خلد کے
ظاہر تو ہے بدیدۂ انصاف ہمگناں

نہریں ہیں سلسبیل و مکانات قصر خلد
دوشیزگان حور ہیں غلمان کودکاں

اشجار واں کے ہمسر طوبیٰ ہیں لطف میں
سرسبزی واں کی سبزۂ رخسار دلبراں

ہے خاک ایسی مشک جسے دیکھ ہو سیاہ
ہو زرد رو مقابلہ میں جس کے زعفراں

نسرین و نسترن و چنبیلی ہیں جن کے نام
کھلتے ہیں سبزہ اے مزابل اُسے وہاں

ابر بہار کا تو سدا واں قیام ہے
آیا کبھی نہیں ہے وہاں موسم خزاں

باد سحر میں لطف یہ ظاہر ہے برملا
ہوتا ہے خون مشک نہ نافِ آہواں

آب و ہوا وہاں کی نہایت ہے دل پذیر
ہوتے ہیں سب حسین و طرحدار مردماں

پوچھے جو کوئی دیکھا ہے تم نے کبھی وہ ملک
جو اس طرح پہ بانکتے ہو لن ترانیاں

کہنے کو بس جواب یہ کافی ہے خصم سے
فردوس تم نے دیکھا ہے بتلاؤ تو نشاں

علم و ہنر کا ذکر کروں ان کے کیا مجال
بقراط و جالینوس ان کے ہیں جاہلاں

حکمائے ماسبق کی وہی درس گاہ ہے
علم و ہنر کا جس سے ہوا نام اور نشاں

نام ہنر سے پہلے کسی کو نہ علم تھا
اہل فرنگ سے ملا فرہنگ کا نشاں

قریوں میں اور مصروں میں اضلاع میں تمام
ذر رواج علم نے پایا بہر مکاں

گو آنکھ والے ... پشت فلک یہ دس
ہے تارم سماک یہ اندھوں کا دیدباں

شاہان ماسبق کا جو کچھ اختراع ہے
اس سے انھوں کے نام ہمیشہ رہے رواں

گردوں ہے اس کے درگہ عالی کے فرش میں
ہر روز اس کے جود سے اس کی ہیں ڈھیاں

نایاب مستمند ہوا اس جہاں سے
دولت سے بہرہ ور ہوا ہر فرد انس و جاں

عنقا ہے اس دیار میں وہ مستمند ہے
گردن پھرا کے دیکھے جو قاروں کو یک زماں

فی التمکین ممدوح

تمکیں کو اس کے عدل نے تولا جو کوہ سے — از بسکہ وہ خفیف ہوا یہ ہوا گراں
ہے رائے میں شتاب کا اس مرتبہ علو — قطب فلک ہے جس کے مدارج کا کہکشاں
تحریر کے خطا کو راست منجم کہا کئے — کجرائی اس کی رائے سے اس کی ہوئی عیاں
لمعان نور عقل کا تاباں ہے اس قدر — خجلت کا داغ ماہ کے چہرے پہ ہے عیاں

فی الانتظام نمائش گاہ

قانون عدل و داد کا عالم میں شور ہو — آہنگ جس کے درس کا رکھتے ہیں داوراں
پر اب ملک عوام کو اس سے خبر نہ تھی — عدل پدر کو ظلم سمجھتے ہیں کودکاں
بالفعل جو ہوا ہے نمائش کا اہتمام — آئین ... رموز کا عقدہ ہوا عیاں
اس روز عرض عام کی ہو خاصیت عجیب — ہو جنس و فصل و نوع کا جب شبہ نگہباں
کیا خوب ہے وہ روز کہ جس روز میں تمام — تحفہ نگاہ ہوئیں رعایا کی خوبیاں
اشیائے نادرات و غرایب جہان کے — یکتائے ہر علوم و افراد سروراں
روئے زمیں کو زیب ہو جس چیز سے تمام — رشک چمن ہو عکس سے جس چیز کے جہاں
باغ ارم بھی ہے نمائش کی جا نگاہ — ذات انتظام جس کے بنے در پہ عزوشاں
اس روز کو جو دار جزا کہئے ہے بجا — ہر خدمتوں کا ملتا ہے انعام جیسا یہاں
روئے زمیں کی سیر تو کرنا محال ہے — تا نادرات صنع ہو مصنوع پر عیاں
پر جس کو شوق دید صنایع کا حق کی ہو — صدق دروں سے جائے نمائش میں ہو رواں
صنعت کی دید حق ہے کہ صانع کی دید ہو — عرفان نفس معرفت حق ہے بے گماں

در مدح ارباب کمیٹی

گو بزم میں نمود ہیں سب نیک اختراں — ہیں ماہ خور پر انہیں اولوالعزم حاکماں



کیا شان حاکمی کی جبیں سے ہے آشکار — کیا نور عدل و داد کا صورت سے ہے عیاں
اقبال سائباں ہے دولت ہے زیر پا — بال ہما کا چتر ہے اوج فلک مکاں
ہیں مجمع علوم و دنیا ہیں جود کے — دریا نمط ہیں دست کرم سے گہرفشاں
رشک چمن ہمیشہ رہا گرچہ یہ دیار — مقدم سے سروروں کے ہوا اب یہ کہکشاں
توصیف ممبروں کی اگر کچھ رقم کروں — قرطاس سرفرازی سے پہونچے پہ آسماں
حکام ہیں محیط تو یہ جو ابر بار ہیں — بستان عدل وہ ہیں تو یہ ہیں کیاریاں

در خاتمہ

طاقت میں تو تو جنگ بہادر ضعیف ہے — بس فکر دل پذیر تری ہے بڑی جواں
میدان مدح کا تو اگر شہسوار ہے — شبدیز تیز خامہ کی اب روک لے عناں
غواص جو ہوا ہے محیط سخن کا تو — بیشک جناب لاٹ ہیں اس در کے قدرداں
ابا یہ تیرے شاہوں کا دایم سلوک تھا — تاج الملوک لاٹ بھی تجھ پر ہو مہرباں
انعام عام ہے یہ تعجب کہاں کہ وہ — اس چھوٹے پن میں کو دیں تجھے سروراں
پروردگار عالم و خلاق کائنات — اس عہد و سلطنت کا ہو ہر دم نگاہباں
تیغ ظفر مدام ملازم ہو تخت کی — سکہ رہے ہمیشہ پہ روئے زمیں رواں

(۴۱) قدوسی۔ لالہ سیوک رام وکیل عدالت دیوانی شہر پٹنہ سخن شعرا میں ان کے یہ صرف دو شعر ملے۔

جی کو نہ چین ہو نہ آرام پائے دل — پھر کس امید پہ کوئی تم سے لگائے دل
اوڑھ کر دھانی دوپٹہ بھی اجی آؤ کبھی — ایک دن تو کشت امید غریباں سبز ہو

رائے بیجا ناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی بیاض ۱۲۷۰ھ میں ان کا کلام معہ نام و تخلص بہت کافی مقدار میں پایا گیا وہ بجنسہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔

## بخشی سیاست

نام وزیر اعلیٰ سری بخشی غلام ہے — رکھنا پرجا کو شاد یہی ان کا کام ہے
سنتی ہے یہاں پہ ہر آئے امن و امان کو — جب سے یہ آئے ایسا ہی یاں کا نظام ہے

## اہل سری نگر

جو لوگ سری نگر کے ہیں بے حد خلیق ہیں — مہمان نواز ہیں سبھی لایق لئیق ہیں
رکھتے ہیں دوستی یہ ہر اک خاص و عام سے — ہیں پریم کی یہ مورتی غایت شفیق ہیں

## کیسر کے کھیت و تیرتے کھیت

کھیت کیسر کے یہاں پر تو نسے دیدنی ہیں — لوگ کہتے ہیں کہ یہ باعث خندیدن ہیں
تیرتے کھیت بھی ہیں یاں پہ کہیں پانی میں — کہہ سکے جن کو نہ محفوظ زد زدیدن ہیں

## ہاؤس بوٹس

ڈل اک جھیل ہے جہاں چلتا مکاں ہے — ہے ڈھنگ انوکھا ان کا نرالی شان ہے
راحت کے ان میں سامان مہیا ہیں تمام — تعریف ہاؤس بوٹس بیرون از بیان ہے

## امیرا کدل

امیرا کدل ایک پل ہے یہاں — ہے جہلم ندی اس کے نیچے رواں
گردوارا سکھوں کا اک پاس ہے — اور بازار بھی ہے یہاں اک کلاں

## چشمہ شاہی

چشمہ شاہی ہے نام اس کا — ہضم کرنا ہے کام اس کا
بادہ ہو گر نہیں میسر — پی لو بھر کر کے جام اس کا

## نشاط باغ

ناز سری نگر یہی باغ نشاط ہے — دیتا یہ خاص و عام کو انبساط ہے



تشبیہ دوں جو مہروں سے حوران خلد کی — تو امن ہیں پہ ان کے لئے یہ بساط ہے

## شالیمار

نور جہاں کا باغ یہی شالیمار ہے — تعمیر کی وجہ زن و شو کا پیار ہے
باد صموم کا نہیں ہوتا یہاں گزر — فصل خزاں میں بھی یہاں لطف بہار ہے

## ہرون جھیل

یاں پہ اک جھیل کو موسوم بہ ہرون دیکھا — نیچے اک سوتا سا بہتا ہوا روشن دیکھا
مثل آئینہ کے شفاف تھا اس کا پانی — یا کہوں گویا کہ بہتا ہوا درپن دیکھا

## پہلگام

پہل گام سچ فخر کشمیر ہے — پہاڑوں میں لے دے کے یہ میر ہے
لدار اک ندی بہتی ہے بیچ سے — روانی میں یہ مثل اک تیر ہے

## گل مرگ

سنا ہے کہ گل مرگ ہے لاجواب — مرے واسطے یہ رہا مثل خواب
جو پا لی خبر ڈاکے کی اپنے گھر — بنا دیکھے لوٹا میں پٹنہ شتاب

(۱۲۲) رنگین — تخلص اور منشی چھیدن لال نام محلہ مرار پور گیا میں رہتے تھے شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم نے اپنے منشی ملک عبد الکریم مرحوم کے بعد ان کو ملازم رکھا تھا۔ ذی علم، خوشگو اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ نواب صاحب مرحوم کے ہاں روزانہ صبح کے آٹھ بجے حاضر ہو کر ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سارا وقت کتب بینی اور شعر و شاعری میں گزارتے تھے یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے اسی وقت ان کی شاعری کی ابتدا تھی۔ اردو کے علاوہ فارسی کی استعداد

غم فرقت کی نہیں تاب ہمیں اے ندوی
یا خدا جلد ہو اب وصل کا ساماں پیدا

⁂

زردیٔ رنگت سے ہی بھی ہمسر زر ہو گیا
تھا گدا پر عشق کی دولت تونگر ہو گیا

دیدۂ روشن نے روتے آنسو کا سمندر ہو گیا
دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتھر ہو گیا

دل تصور کرتے کرتے عین دلبر ہو گیا
ذرہ ربط نور سے مہر منور ہو گیا

عشق نے آخر کو رنگ حسن دکھلایا مجھے
عرض سمجھے تھے جسے وہ عین جوہر ہو گیا

کیا تغافل ہے کبھی یہ بھی نہ پوچھا کون ہے
میں کئی دن آپ کے گھر بندہ پرور ہو گیا

عاشق و معشوق میں ہوتے ہیں کیا کیا اختلاط
چھو لیا دامن کو کیوں جامہ سے باہر ہو گیا

کھائیں غم آنسو پئیں باتیں سنیں اغیار کی
یہ تری سرکار سے ہم کو مقرر ہو گیا

دشت وحشت میں بدوی مجنوں کی جب ہمکو تلاش
ہر بگولا نجد کی وادی میں رہبر ہو گیا

صاف مہر اعکس ہے اس میں نہیں ہمسر ترا
آئینہ کو دیکھ کر کیوں تو مکدر ہو گیا

ربط دل کہتے ہیں اس کو دیکھ کر رقصاں آئے مجھے
پاؤں تھرانے لگے اور سر کو چکر ہو گیا

تھا غضب کا وقت وہ پہلو سے جس دم اٹھ گیا
چلتے ہی چلتے بنا سامان محشر ہو گیا

ایک جا ہوتا نہیں جب آپ کو دم بھر قرار
کس طرح غیروں کے دل میں آپکا گھر ہو گیا

مل گیا دل سے ہمیں دلدار کا اپنے سراغ
طالب اپنا آپ تھا میں شوق رہبر ہو گیا

خواب میں بھی ہم تو دیکھیں گے حسینوں کا جمال
قصہ یوسف زلیخا نقش دل پر ہو گیا

جھک کے ہم ان سے ملے اغیار غیرت سے کٹے
قامت پر خم ہمارا ان کو خنجر ہو گیا

اس سراپا ناز کے قدموں پہ سر صدقہ کیا
قرض یہ ہم سے ادا اللہ اکبر ہو گیا

وصل کی شب گر نہیں گستاخیاں تم سے ہوئیں
کیوں خفا ندوی تمہارا تم سے دلبر ہو گیا



(۴۲) **مختار**۔ لالہ خوب لال عظیم آبادی عدالت میں مختار کا پیشہ کرتے تھے اور اسی رعایت سے مختار تخلص کیا تھا۔ رائے بیجناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعرہ سنہ ۱۲۷۱ھ کی روداد میں ان کا ذکر اور یہ غزل پائی گئی۔

گر کروں نظم میں وصف رخ جاناں پیدا
مطلع نور سے ہو مطلع دیواں پیدا

سرو قد تو ہے دہن غنچہ ہے عارض گل ہے
تو نے اے شوخ کیا حسن گلستاں پیدا

قد موزوں سے ترے اس کو بھلا کیا نسبت
یہ نزاکت کو کرے سرو گلستاں پیدا

جاتے ہی فصل بہاری کے خزاں کے باعث
تختۂ گل میں ہوئے خار مغیلاں پیدا

جوش پر آئے ہمارا جو یہ سیلاب سرشک
کشتی نوح سے ہوئے ابھی طوفاں پیدا

ضبط ہر چند کیا سوز دروں کو لیکن
دیدۂ تر نے کیا یہ غم پنہاں پیدا

قدر مختار کی لازم ہے سخن دانوں کو
پھر نہ ہوگا کبھی ایسا کبھی سخنداں پیدا

(۴۳) **شاد**۔ بابو گنگا پرشاد عظیم آبادی۔ رائے بیجناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی روداد سنہ ۱۲۷۱ھ میں ان کی یہ غزلیں ملیں زیادہ حالات معلوم نہیں۔

جلوہ گر جس گھر میں تو اے ماہ انور ہو گیا
ماہ ہر روزن ہوا ہر ذرہ اختر ہو گیا

کس طرح آوے جواب نامہ محو دید ہو
بلبل شیدا گل رخ کا کبوتر ہو گیا

فصل گل میں کیوں نہیں ملتا ہے بلبل کا دماغ
بیٹھنے سے گل پہ کیا سرخاب کا پر ہو گیا

تو خدائے حسن ہے ملنا ترا معراج ہے
پاس تیرے جو گیا بےشک پیمبر ہو گیا

آتے ہی فصل بہاری کے ملا جام شراب
گل کی کلیوں سے لبالب مے کو بھی کیا یہ ہو گیا

غیر سے تو ملتفت ہے ہمکو حسرت ہے یہی
جس کو تم ناچیز سمجھے تھے وہ ہمسر ہو گیا

سن کے میرے شعر کو کہنے لگے اہل سخن
شاد بھی اس عمر میں کیا ہی سخنور ہو گیا

اس آسماں نے خاک میں سب کو ملا دیا / باقی نشاں گدا کا ہے نے بادشاہ کا

کہتے ہیں ابر تر جسے وہ اپنا اشک ہے / بجلی ہے جس کا نام وہ شعلہ ہے آہ کا

احساں سے موت کے مجھے تو نے بچا لیا / قاتل بھلا ہو اس تری تیغ نگاہ کا

گر گر کنویں میں جان میں دونگا ایک دن / یوں ہی رہا جو شوق زنخداں کی چاہ کا

آئے عدم سے ہستی میں خالی ہاتھ ہم / اور یاں سے لے چلے ہیں ذخیرہ گناہ کا

دونوں میں اس کے روئے مصفا کا نور ہے / کیا رتبہ اس کے سامنے خورشید و ماہ کا

واعظ چھڑایا چاہتا ہے شغل عشق تو / یہ مشغلہ جو ہے مجھے شام و پگاہ کا

برگشتگی و بخت کا اپنے یہ ہے اثر / پھرنا مری نظر سے تمہاری نگاہ کا

دو گز کفن سوا تو نہ کچھ ساتھ لے گیا / اک شور تھا جہاں میں سکندر کی جاہ کا

خاک لحد سے نرگس شہلا ہوئی نمود / کشتہ جو تھا کسی کی میں چشم سیاہ کا

ہے دل کے آئینہ میں تری شکل جلوہ گر / کس واسطے اٹھاؤں میں احساں نگاہ کا

عاجز یہ وہ غزل ہے کہ فیض شکیب سے / بزم سخن میں شور رہا واہ واہ کا

## دیگر

ممکن نہیں ہے ہم سے کہ کبھی ترک وفا ہو / ہر چند دل اپنا ہدف تیر جفا ہو

اے جذب محبت تری تاثیر سے کیا ہو / خود آ کے ملیں وہ جو مرا بخت رسا ہو

انساں ہو پر حسن میں تم سب سے جدا ہو / حوروں سے ہو بہتر کہیں پریوں سے سوا ہو

اے زلف معنبر تری کیا ہم سے ثنا ہو / تشبیہ دیں گر مشک ختن سے تو خطا ہو

اچھا نہیں ہوتا مرض عشق کا بیمار / وہ درد ہے یہ جس کی نہ عیسیٰ سے دوا ہو

کیا جرم و گنہ کیا میری تقصیر خطا ہے / کچھ کھل کے کہو کس لئے تم مجھ سے خفا ہو

کیا حسن خداداد ہے اے بت ترا واللہ / دیکھے جو فرشتہ بھی تو سو جان سے فدا ہو



(۴۴) عاجز۔ لالہ کملا پرشاد عظیم آبادی شاگرد منشی ہیرالال شکیب تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ایک شعر پایا گیا۔ ان کی تین غزلیں رحمتی کے گلدستہ سوم و چہارم (سنہ ۱۲۹۵ھ) میں موجود ہیں، وہ اس جگہ نقل کیجاتی ہیں۔

لشکر ہے اپنے ساتھ غم و رنج و آہ کا / اندوہ و یاس ہے کہ رسالہ سپاہ کا

یہ ابر ہے کہ عکس ہے بخت سیاہ کا / یا چھا گیا فلک پہ دھواں میری آہ کا

گر ہے یہی طریق تری رسم و راہ کا / اٹھ جائیگا رواج زمانے سے چاہ کا

نے سوز دل ہے اب تو نہ شعلہ ہے آہ کا / بجھتا ہوا چراغ ہوں میں صبح گاہ کا

اس چشم سرمگیں پہ نہ کس کس کا دل لٹا / کشتہ نہیں ہے کون خدنگ نگاہ کا

یوں ہی رقیب ناز اٹھائیں گے آپ کے / معلوم ہوگا حال مرے بعد چاہ کا

خستہ کیا خراب کیا مجھکو تس پہ بھی / اب تک نہ جی بھرا فلک کینہ خواہ کا

میری تو راہ عشق میں کی کچھ نہ رہبری / کیا خضر ساتھ دیویں گے گم کردہ راہ کا

سینہ میں اپنے لوٹا یہ بسمل سا ہے طپاں / یہ دل ہدف ہوا کسی تیر نگاہ کا

ابرو کے بوسہ پر میں سزاوار قتل ہوں / خود اعتراف مجکو ہے اپنے گناہ کا

ہر روز گھر رقیبوں کے جایا نہ کیجئے / کچھ بھی تو کہنا مانئے اس خیر خواہ کا

اک عمر رشک یوسف کنعاں کی تلاش / کتنے کنویں جھکائے برا ہوئے چاہ کا

پہلو سے مرے چھید کے دل کو نکل گیا / اللہ رے توڑ آپ کے تیر نگاہ کا

رنج شب فراق میں اندھیر اور ہے / آنا یہ گھر گھر کے ابر سیاہ کا

پہلو تہی کریگا یہ دل ہم سے ایک دن / کرتا ہے بے سبب نہیں اک آہ آہ کا

ملک عدم میں اپنا پہونچنا محال ہے / منزل ہے دور سر پہ ہے بوجھا گناہ کا

منہ دیکھنے کی ان کے تو صورت نہیں ہے / پردا سا پڑ گیا ہے ہجوم نگاہ کا

بے وجہ نہیں اس فلک پیر کو گردش
عاشق یہ جوانی پہ کسی کی نہ ہوا ہو

منظور نظر ہوے تو لے جاؤ اڑا کر
حاضر ہے یہ دل دیکھتے کیا سوچتے کیا ہو

شک ہے دل گم گشتہ یہ اپنے تو یہی ہے
اس زلف مسلسل میں الجھا نہ رہا ہو

چلتے تو ہو اٹھکھیلیوں کی چال مری جاں
خلخال کی آواز سے محشر نہ بپا ہو

سینے سے لپٹ جاؤ جو لے کان ملاحت
پھر کیوں نہ یہ زخم دل صد چاک ہرا ہو

ہر بات پہ تہر کرتے ہو ہر دم ہو الجھتے
کہہ بیٹھیں جو کچھ ہم بھی تو کیا جانئے کیا ہو

کیا جانتے تھے یہ کہ مکر جائیں گے یہ دل
کس طرح کھلے جی میں کسی کے جو دغا ہو

کر بیٹھے یوں ہی عشق بتاں سمجھے نہ بوجھے
اب تڑپو پڑے حضرت دل اور کرا ہو

ہم عشق بتاں چھوڑ تو دیں حضرت ناصح
پر عمر بسر ہونے کی صورت کہو کیا ہو

لائی نہ کبھی نکہت گیسوئے معنبر
چل دور ہو اے باد صبا یاں سے ہوا ہو

تم وہ ہو کہ تم پر ہیں فدا ہم سے ہزاروں
غیرت کی جگہ یہ ہے کہ تم غیر کو چاہو

کیونکر کف افسوس نہ حسرت سے ملے وہ
دل جس کا تری اٹھتی جوانی پہ لبھا ہو

عاجز نہ رکھو چشم وفا ماہ رخوں سے
جب تک کہ بنے تم سے محبت کو نباہو

٭

بغیر دیدار روئے جاناں تڑپتے یونہی رہا کریں گے
اجل تو جھگڑا چکا دے اپنا فراق میں جی کے کیا کرینگے

یہ حسن والے کسی پہ اے دل کبھی نہ مہر و وفا کرینگے
دعا کرینگے دعا کرینگے دعا کرینگے

کیے جو اس بت نے مرے زندہ لگے سب آپس میں ملکے کہنے
دہی ہیں یہ جن کے معجزہ سے ہمیشہ مردے جیا کرینگے

ہے درد پہلو کی اتنی شدت بہت بری ہے ہماری حالت
اجل تو آجا کہ ہونے صحت کہاں تلک دکھ سہا کرینگے

بتوں کو سمجھے تھے جو بھلے یہ دلبر یہ نکلے یہ اتنے سخت پتھر
نہ جانتے تھے کہ دل کو لیکر یہ ہم سے ایسی دغا کرینگے

بھرا ہے دل میں بخار کلفت تپ جدائی کی ہے حرارت
اگر ہے سوز دروں سلامت دھوئیں سے نالے اٹھا کرینگے

نہ بک تو بیہودہ ناصح اتنا دماغ میرا عبث نہ تو کھا
بچھڑیں گے ہم بتوں سے ملنا غم و الم سب سہا کرینگے



کرو جو جور و جفا سو کم ہے نہیں کچھ اس کا مجھے الم ہے
قسم ہے جب تک کہ دم میں دم ہے کبھی نہ ترک وفا کرینگے

کیا دل و دیں تم پہ صدقے عزیز کچھ بھی رکھا نہ تم سے
رہی ہے اک جان جو تن میں سو اسے بھی اک دن فدا کرینگے

اٹھے گئے عشاق خاک میں سب بھرینگے دیوانے تو کہاں اب
جو یوں ہی اے جان روز و شب یہ بگڑ کے گیسو بنا کرینگے

چلن لڑکپن ہی کے نرالے ابھی سے چلتے ہیں بانکپن سے
جوان نام خدا جو ہونگے تو اک قیامت بپا کرینگے

یہ جوش پر اشک کا ہے جیحوں ہو گئے غرق کوہ و ہامو
بہے گا شکل حباب گردوں یوں ہی جو طوفاں اٹھا کرینگے

یہی ہیں گر دن جنوں کے تو بھر کے دامن میں سنگ ریزے
پھرینگے ہر اک طرف لڑکے ہمارے درپے ہوا کرینگے

جنوں کے ہاتھوں سے تنگ آئے بہار آتے ہی ٹانکے ٹوٹے
رفو کو کس طرح زخم دل کے یہ چاک کب تک سیا کرینگے

نہ کر تو عاجز بتوں سے الفت یہ بھولی بھولی صورت دکھا کے
کریں گے کب تجھ سے یہ محبت ہمیشہ جور و جفا کرینگے

(۴۵) **نسیم۔** بابو ہربہر جی عظیم آبادی زیادہ حال معلوم نہیں۔ راجہ بیجناتھ پرشاد سنگھ کے مشاعرہ سنہ ۱۲۷۱ھ کی بیاض میں ان کی یہ غزلیں پائی گئیں۔

دست رنگیں کا ترے مجکو جو سودا ہو جائے
ید بیضا مجھے ہر آبلۂ پا ہو جائے

نرگسی چشم کو گل اس کے جو دیکھوں میں کہیں
خار آنکھوں کے تلے نرگس شہلا ہو جائے

اس کی فرقت میں ان آنکھوں کو روا رکھتا ہوں
کوئی جاناں کہیں سیل سے دریا ہو جائے

تیرے معلوم ہوں یہ سرو سہی باغ میں سب
گر تصور میں کہیں وہ قد بالا ہو جائے

چشم جادو کے اشارے سے جئے ہیں مردے
منفعل دیکھ کے کیونکر نہ مسیحا ہو جائے

نیچی نظروں سے جو بھر کر کبھی دیکھے قاتل
طرفۃ العین میں عالم تہ و بالا ہو جائے

دل بیمار تپ ہجر کو کہتے ہیں طبیب
شربت وصل پلا دو ابھی اچھا ہو جائے

گر تری چشم سیہ مست کو دیکھے ساقی
جام صہبا کا مقرر اسے دھوکا ہو جائے

شوخی غنچہ بہت دیکھ رہا ہوں میں نسیم
باغ میں ہنس کے وہ بولے تو یہ رسوا ہو جائے

غزل

دل میں ہے عکس خم زلف پریشاں پیدا
بال آئینہ میں ہوئے ہے بت ناداں پیدا

کیوں شہادت کے لئے لوگ تمنا نہ کریں
زخم بھی ہوتے ہیں اس تیغ کے خنداں پیدا

گل داغ اس نے ہزاروں ہی دیے ہیں مجھکو　　شکر ہے دل میں ہوا ایک گلستاں پیدا

کیا میں تشبیہ دوں لعل لبِ جاناں سے　　ایسی رنگت تو کرے لعلِ بدخشاں پیدا

کیوں نہ لاتے ہو بس آجاؤ گلے لگ جاؤ　　کر چکے تم تو بہت فتنے مری جاں پیدا

عشقِ مژگانِ ستمگر کے جو میت آئی تھی　　مرے مدفن سے ہوئے خارِ مغیلاں پیدا

بے پری زادوں سے اب ہم کو ہمیشہ صحبت　　ہم بھی دنیا میں ہوئے رشکِ سلیماں پیدا

ٹیڑھی ٹوپی جو ترے سر پہ تو کمر میں ہے چھری　　خوب اک وضع یہ کی تم نے مری جاں پیدا

اس کی رفتار سے تشبیہ سراپا ہے غلط　　یہ جھلائے تو کرے کبکِ خراماں پیدا

آنکھ دکھلائی ہے کیا اس نے چمن میں جا کر　　نرگسیں ہوتی ہیں کیوں باغ میں حیراں پیدا

اے تصور تری اتنی تو عنایت رہے　　جب خیال آئے تو ہو جلوۂ جاناں پیدا

مر رہا ہوں غمِ فرقت میں تجھے ہے یہ گریز　　اور پری کچھ بھی تو کر الفتِ انساں پیدا

خواب دیکھا جو زلیخا کی طرح میں نے نسیم　　میری نظروں میں ہوا جلوۂ جاناں پیدا

(مندرجہ ذیل غزل اول ورق غائب ہونے سے ناتمام ہے)

خال و خط کی اس کتابی رخ کے مجھکو ہے جو یاد　　پارہ پارہ کیا مجھے قرآن ازبر ہو گیا

کیا کہوں سوزِ تبِ ہجراں کی گرمی الاماں　　آبلہ دل کا مرے ہر ایک اخگر ہو گیا

جب کہا ہم نے کہ ہمکو عارضہ رونے کا ہے　　ہنس کے بولے وہ اجی تمکو یہ کیونکر ہو گیا

اے جنوں سودا ہے کس محبوبِ سیم اندام کا　　حلقۂ زنجیر ان پاؤں میں زیور ہو گیا

نامہ بر کی کچھ نہیں حاجت ہے ہمکو اے پری　　شوق سے نامہ ہمارا خود کبوتر ہو گیا

سرو کے مصرعہ کو کاٹیگا مقرر باغباں　　گر تمہارے قدِ موزوں کے برابر ہو گیا

بن ترے اے گل بدن نکلے جو ہم گلگشت کو　　خار آنکھوں میں ہماری ہر گلِ تر ہو گیا

سوزِ غم مکتوب ہے نامہ میں مرے قاصدا　　مرغِ نامہ بر ہمارا اک سمندر ہو گیا



یاد میں اس کتابی رخ کے ایسا گھل گیا　　استخواں ہر ایک میرا تارِ بستر ہو گیا

کیا کہوں وہ یہ غبارِ خاطرِ نالاں نسیم　　آجکل وہ تند خو ہم سے مکدر ہو گیا

(۴۶) **غنیمت** ۔ رائے بیجناتھ پرشاد خلف رائے کوسل سنگھ رئیس عظیم آباد اردو شعر و شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے۔

انہوں نے اپنے مکان پر ۱۲۷۱ھ میں بڑے دھوم دھام سے مشاعرے کیے تھے۔ دو مشاعروں کی غزلیں تاریخ مشاعرہ اور شعرا کے نام و تخلص کے ساتھ ایک بیاض میں راقم کی نظر سے گذریں ان مشاعروں میں عظیم آباد کے اکثر مشاہیر شعرا شریک ہوئے تھے۔ غنیمت کی غزلیں اسی بیاض سے نقل کی جاتی ہیں۔

لوٹے گل کانٹوں پہ صورت جو ذرا دکھلا دو　　چاک داماں کرے غنچہ جو قبا دکھلا دو

گرمیِ آتشِ بے دودِ حنا دکھلا دو　　جا کے گلشن میں گلوں کو کفِ پا دکھلا دو

رات بھر نیند نہیں آتی ہے بیتابی سے　　اب تو منہ چاند سا اے ماہ لقا دکھلا دو

سینہ کر چاک دکھاؤں تمہیں دل میں نے کہا　　ہنس کے بولا کہ بہت خوب ذرا دکھلا دو

منہ کی خوبانِ پری رو کو کھلا دو صاحب　　آج چلکر کوئی انداز نیا دکھلا دو

بند ناقوس کی آواز ہوئی نالوں سے　　اب صنم جلوۂ دیدار ذرا دکھلا دو

گر تمہیں دام میں لانا ہو کسی وحشی کو　　زلفِ پر پیچ جو ہے دامِ بلا دکھلا دو

چال میں مر گئے تیری چال سے جی اٹھتے ہیں　　ہو بپا حشر جو ٹھوکر کی ادا دکھلا دو

زلف بکھرا دو ذرا چہرۂ نورانی پر　　اس غنیمت کو کہیں ملکِ خطا دکھلا دو

✤

صاف ہر ذرہ میں ہو صورتِ جاناں پیدا　　نور کچھ بھی تو کرے دیدۂ حیراں پیدا

تیرے دانتوں کے تصور میں جو میں رویا ہوں　　مری آنکھوں سے ہوئے ہیں درِ غلطاں پیدا

کیا انہیں گریۂ شبنم پہ ہنسی آتی ہے　　کیوں صبا باغ میں گل ہوتے ہیں خنداں پیدا

گل بھی دیوانے ہوئے کیا ترے اے رشک چمن
پھاڑنے کے لئے کرتے ہیں گریباں پیدا

دیدۂ دل سے اسے دیکھوں تمنا ہے یہی
خانۂ چشم میں ہو جلوۂ جاناں پیدا

کیا میں تشبیہ دوں سلک دُر دنداں سے ترے
آبداری تو کرے گو ہر غلطاں پیدا

فرقتِ یار میں روتا ہوں غنیمتؔ دن رات
ہوئے ہیں رونے کو بس دیدۂ گریاں پیدا

جب مرے دل کو خیال ماہ پیکر ہو گیا
آہ آتش بار کا ہر شعلہ اختر ہو گیا

واہ رے تاثیر جذب نالۂ شبگیر کی
آج میرے گھر میں سو سو بار دلبر ہو گیا

کیا ہی طوفاں خیز ہوئے حشر موج آستیں
دامن دریا بھی اب تو اشک سے تر ہو گیا

اس قدر صدمے اٹھائے تیری فرقت کے صنم
دل ہمارا چوٹ کھاتے کھاتے پتھر ہو گیا

بے کلی مجھکو شب ہجراں رہی اے رشک گل
خار جائے فرش گل ہر تار بستر ہو گیا

کس پری پیکر کا سودائی ہوں یا جوش جنوں
خانۂ زنداں مرے رہنے کو کیا گھر ہو گیا

اے غنیمتؔ اب بقول آتشؔ رنگیں بیاں
دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتھر ہو گیا

(۴۷) شادؔ۔ بابو سیتا پت عظیم آبادی ان کا زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ ان کی غزلیں مع نام و تخلص بیاض مشاعرہ سنہ ۱۲۷۱ھ پائی گئیں وہ اس جگہ بجنسہٖ نقل کی جاتی ہیں۔

بعد مدت یہ ہوئی صحبت یاراں پیدا
تازہ مضموں کرے اے شادؔ سخنداں پیدا

عرض ہے جوہر عارض کا ترے چہرۂ نور
تیرے کوچہ سے ہوا روضۂ رضواں پیدا

گر کھلیں لعل گہربار ترے دریا میں
رنگ یاقوت کرے گو ہر غلطاں پیدا

سبزۂ خط کی رُخ یار پہ ہے تازہ بہار
فصل گل آئی ہوا باغ میں ریحاں پیدا

باغ میں دست حنابستہ جو تو دکھلائے
سرو کی شاخ سے ہو پنجۂ مرجاں پیدا

پرتو رخ سے ہر اک ذرہ ہوا مہر منیر
ہر ستارے سے قمر کرتی ہو افشاں پیدا



شادؔ دل شاد ہو آتی ہے چلی فصل بہار
گریۂ ابر سے ہوگا گل خنداں پیدا

ہمیں کیا کام گل سے کس لئے جائیں گلستاں میں
فدائے گل رخاں ہیں رہتے ہیں کوئے حسیناں میں

یہ ممکن تھا کہ ہوتا ایک عالم تابع فرماں
کھدا ہوتا نام تیرا اے پری مہر سلیماں میں

کوئی ساقی سے کہہ دے آئے گلشن میں بہار آئی
مئے گلگوں کا پینا لطف دیتا ہے گلستاں میں

خدائی میں ہوئے بدنام کافر لوگ کہتے ہیں
ترے عاشق ہوئے اے بت تو آیا فرق ایماں میں

غزالوں سے تری آنکھوں کی نسبت نامناسب ہے
کہ ناطق اور مطلق کا ہے فرق انساں و حیواں میں

بہا یک پھر گئے آنکھوں میں ساماں شب وصلت
گل و بلبل کو دیکھا ہم نے جب باہم گلستاں میں

سخن سنجی کا ہم بھی دعویٰ اے شادؔ رکھتے ہیں
ملا دیتے ہیں اپنی نظم کو ہم نظم سحباں میں

(۴۸) فردؔ۔ بابو کالی پت عظیم آبادی۔ غالباً بابو سیتا پت شادؔ کے قرابت مند تھے ان کی غزلیں مع نام و تخلص رائے بچھا تھ پرشاد سنگھ کے مشاعرہ (سنہ ۱۲۷۱ھ) کی بیاض میں پائی گئیں جو اس جگہ بجنسہٖ درج کی جاتی ہیں۔

طاق ابرو سے ہوا کعبۂ ایماں پیدا
بدلے زمزم کے ہوا چاہ زنخداں پیدا

ٹھوکریں کھا کے ہوں پامال ہر اک وحشی دشت
چال تیری جو کرے کبک خراماں پیدا

مہندی ملوا کے رقیبوں سے جلایا ہمکو
یہ نیا رنگ کیا تم نے مری جاں پیدا

حسن کا یوسف کنعاں کے فقط شہرہ تھا
تیرا ثانی نہ ہوا پر کوئی جاناں پیدا

ملی اُس شوخ سمن بو نے جو مہندی تو کھلا
شاخ نسریں سے ہوا پنجۂ مرجاں پیدا

عکس اس مہر جبیں کا جو پڑا پانی میں
برج آبی سے ہوا مہر درخشاں پیدا

نظم پیرائی جو منظور ہے تم کو اے فردؔ
ابتدا ہی سے کرو طرز سخنداں پیدا

کوئی وحشت زدہ مجھ سا نہ ہوگا دور دوراں میں
نہ اک دم چین ہے گھر میں نہ آسائش بیاباں میں

سمجھ کر آشیاں بلبل لگاتا شاخ پر گل کی
لگے ہیں جا بجا پھندے رگ گل کے گلستاں میں

گلی بیلے کی پتوں میں چھپالے شرم سے منہ کو | تمہارے دانت کھل جائیں اگر سیر گلستاں میں
دل زاہد میں بستی ہے خدا کے حسن کی صورت | تصور یوں ہی اک بت کا ہے میرے دل جانی میں
نہ دیکھا دیدۂ انصاف نے تجھسا کوئی دلبر | برنگ شمع گو جلتا رہا بزم حسیناں میں
تمہارے دست رنگیں کی نزاکت دیکھ کر جانی | نہ کیوں مرجاں چھپالے منہ کف دریائے عماں میں
نہیں ہے فرد کو کچھ غم جو تو نظروں سے غایب ہے | تری شکل آئنہ پھرتی ہے چشم حیراں میں

**(۴۹) حشمتی** - لالہ ماتادین کالیستھ سری باستو عظیم آباد کے مشاہیر شعرا میں تھے عرصہ تک مظفر پور میں منصفی کے عہدہ پر فائز رہے اور ۱۸۹۰ء میں گیا میں صدر اعلیٰ تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ میر وزیر علی عبرتی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ خان بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب مجیب بی اے۔ بی ال۔ ساکن بالی و رئیس گیا سے بہت ربط رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیف خمسۂ کاملہ میں لکھا ہے کہ رائے ماتادین محرم کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں اور انہیں کی سعی سے میر ہادی وحید صاحب ۱۸۸۶ء میں گیا تشریف لائے اور سال بسال آیا کئے رائے صاحب آئمہ اطہار سے خاص عقیدت رکھتے تھے چنانچہ خمسۂ کاملہ میں ان کی یہ رباعی بھی درج کی ہے۔

خوشا وہ لوگ جو آئے ہیں بزم ماتم میں | خوشا وہ ہاتھ جو پیٹے حسین کے غم میں
وہ دل ہو خاک نہ ہو جس میں اہل بیت کا غم | وہ آنکھ پھوٹے جو روئی نہ ہو محرم میں

تذکرہ سخن شعرا میں ان کا ذکر اور یہ شعر پایا جاتا ہے۔

دیکھیں گے حسن حور تو پھسلے گا دل ضرور | جنت میں بھی یقیں ہے نہ آرام پائے دل

لالہ بیجناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی بیاض (۱۲۸۱ھ) میں انکی یہ غزلیں ملیں۔



ہم بغل اگر جو وہ خورشید پیکر ہو گیا | داغ تھا جو اپنے سینے میں وہ اختر ہو گیا
کیا قیامت ہے دوپٹا زعفرانی آپ کا | جس نے دیکھا آپ کو جامہ سے باہر ہو گیا
جتنا روتا ہوں بری ہوتی ہے اس سے کشت غم | دامن ابر بہاری دیدۂ تر ہو گیا
اس نے وہ آنکھیں لڑائیں چوٹ یاں دل پر لگی | غیر کی آنکھوں کا ڈھیلا مجکو پتھر ہو گیا
ایک گل جب بار دوش باد صرصر ہو گیا | بلبلوں کے ہوش اڑنے کے لئے پر ہو گیا
تیرے دیوانے ہیں نازک گل سے بھی اے نازنیں | موج بوئے گل کا جھونکا مجکو پتھر ہو گیا
تو نہیں آتا کسی صورت سے یہ ٹلتا نہیں | کیا غم ہجراں مجھے چھاتی کا پتھر ہو گیا
اڑتی پڑتی یہ خبر پیک صبا نے دی مجھے | خط کے ٹکڑے اڑ گئے پرزے کبوتر ہو گیا
زندگی کا لطف مجکو جان دینے میں ملا | آب حیواں مجکو قاتل آب خنجر ہو گیا
بے ترے اے بحر خوبی جب نہانے میں گیا | حلقۂ گرداب دریا مجکو خنجر ہو گیا
یاد میں اک بادہ کش کی دل فنا ہونے لگا | دور جام مے مری نظروں میں خنجر ہو گیا
سخت جانی نے مری اس کو پشیماں کر دیا | ہاتھ میں قاتل کے پانی پانی خنجر ہو گیا
بزم میں دیکھا جو مجکو اس نے آنکھیں پھیر لیں | ہائے کیا برگشتہ آج اپنا مقدر ہو گیا
آگ پانی میں لگاتا ہے ہمارا سوز دل | اشک کا قطرہ جو نکلا صاف اخگر ہو گیا
حسرتیں جو دل کی تھیں سب اپنے دل میں رہ گئیں | وہ نہ آئے اور مرا وعدہ برابر ہو گیا
تیغ قاتل کی بدولت اپنا پردہ رہ گیا | زخم دامن دار چھپتے چھپتے چادر ہو گیا
خلق کے طعنے سنے رسوا ہوئے در در پھرے | جو نہ ہونا تھا وہ سب اے بندہ پرور ہو گیا
دشت میں مجھ ناتواں کو خوب سرگرداں کیا | دور جام مے ایاغ مہر کو چکر ہو گیا

سینہ تو مدت سے ہے ماتم سرا اے حشمتی
ایک دل باقی تھا وہ بھی درد کا گھر ہو گیا

مرے گل پیرہن کی جب ہوئی آمد گلستاں میں — اڑا رنگ چمن غنچوں نے منہ ڈالا گریباں میں

مرے میں رکھا کر یاد رنگ سبز جاناں میں — بنایا چاہیئے مدفن ہمارا کشت ریحاں میں

یہ کس وحشت زدہ کی خاک ہے مرنے پہ گرد ہوں — بگولا بنکے اڑتی پھرتی ہے دشت بیاباں میں

جہاں جو رنگ ہو ویسا ہی لطف دیتا ہے — بگولا دشت میں ہو جائے نکہت گلستاں میں

مہک سیر کو جانے کی مناہی کون کرتا ہے — نسیم صبح کا مانع نہیں کوئی گلستاں میں

شکر خوروں کو دیتا ہے شکر اللہ اے زاہد — شراب پاک ہے رندوں کا حصہ باغ رضواں میں

سنگھا کر بوئے زلف عنبریں ان کو ہوا کر دے — ترے دیوانوں کو غش آتے ہیں زنداں میں

نظر بازی کا لپکا قید میں بھی مجکو رہتا ہے — گڑی ہیں اپنی آنکھیں روزن دیوار زنداں میں

نہ دیگا جیتے جی صیاد گلشن کی اگر رخصت — مرے پر خاک بلبل اڑ کے پہونچے گی گلستاں میں

صبا کیونکر مجھ کو میری طرح آوارہ پھرتی ہے — مگر اس کا بھی دل الجھا کسی کی زلف پیچاں میں

تری زلفوں سے کیا تشبیہ دوں یہ کب مقابل ہیں — نہ ایسے خم ہیں ریحاں میں نہ بو عشق پیچاں میں

تصور رات دن رہتا ہے خوش چشموں کا آنکھوں کو — ہوا ہے آشیاں مرغ نظر کا نرگستاں میں

تجھے کہتے نہ تھے ہم زمزمہ سنجی نہ کر بلبل — تری آواز پر صیاد پہونچا گلستاں میں

مریضان محبت ہوں دوا کے کس لیے طالب — مسیحا جو مزا ہے درد میں وہ کب ہے درماں میں

کیا ہے حشمتی زخمی مجھے تیغ تبسم نے — گل خنداں کا عالم ہے ہمارے زخم خنداں میں

حشمتی روتے ہو کیوں ہیں ماہ پیکر سیکڑوں — دل سلامت ہے تو مل جائیں گے دلبر سیکڑوں

گندمی رنگ ان کا کیا ہی اک بلائے جان ہے — آسیائے عشق میں مرتے ہیں پس کر سیکڑوں

شکل میری دیکھ کے کہنے لگے وہ ناز سے — ایسے دیوانے پڑے پھرتے ہیں در در سیکڑوں

کر دیا ضبط فغاں نے جا بجا سینہ کو چاک — ہو گئے دل کی نظر بازی کو اب در سیکڑوں

آپ کی ڈیوڑھی نہیں کیا کوئی زیارت گاہ ہے — جب نہ تب دیکھو کھڑے رہتے ہیں زائر سیکڑوں



دست رس پائے نگاریں تک نہیں ہوتا نصیب — مر گئے مثل حنا عشاق پس کر سیکڑوں

حشمتی باز آؤ اس سے جی لگاؤ اور سے — حور وش لاکھوں پڑے ہیں ماہ پیکر سیکڑوں

خندۂ گل سے ہے رمز دل نالاں پیدا — خاک بلبل سے ہوا ہے یہ گلستاں پیدا

دہن غنچۂ گل سے یہی آتی ہے صدا — چاک کرنے کو ہوا ہے یہ گریباں پیدا

مردم دیدہ نہ اس پردہ نشیں کو گھوریں — چادر اشک کر اور دیدۂ گریاں پیدا

جان آئے تن بے جاں میں جو آجائے بہار — ہو رگ ابر بہاری سے رگ جاں پیدا

کشتۂ ناوک مژگان ستمگر ہوں میں — کیا عجب خاک سے میری ہو نیستاں پیدا

مرے دم تک ہے تیرے کاکل پیچاں کا یہ بل — پھر نہ ہووے گا کوئی سلسلہ جنباں پیدا

رفتہ رفتہ غم فرقت میں ہوا اپنا وصال — بڑھ کے کی درد نے خاصیت درماں پیدا

مار رکھا ہے حسینوں کی اداؤں نے مجھے — روز ہوتے ہیں نئے جان کے خواہاں پیدا

صدمے کچھ کم تو نہ تھے گور کی اندھیاری کے — کیوں ہوئی پھر یہ بلائے شب ہجراں پیدا

آدمی ہو تو سماجت یہ مری رحم کرو — گر پری ہو تو کریں ہم بھی پری خواں پیدا

پرتو حسن رخ یار کا یہ سب ہے طلسم — وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتے یہ گلستاں پیدا

تھا ازل سے جو میں اس حسن خداداد کا محو — صورت آئینہ آنکھیں ہوئیں حیراں پیدا

دیکھ کر شعلۂ رخسار کو دل خاک ہوا — گرمیٔ حسن نے کی آتش پنہاں پیدا

کیسی ساعت میں لگایا تھا یہ نخل امید — نہ ہوا پھل کوئی جز حسرت و حرماں پیدا

لیکے بازار حسیناں میں اسے خوب پھرے — جنس دل کا نہ ہوا ایک بھی خواہاں پیدا

قسمیں کھائی تھیں وہ دیکھے تھے مچلکے کیسے — پھر کیا ربط رقیبوں سے مری جاں پیدا

لے پری چہرہ سراپا جو ترا نظم کروں — مصرع قامت موزوں سے ہو دیواں پیدا

جب ہوئی فکر سخن تیری ہم آغوشی میں — سارے مضمون ہوئے دست و گریباں پیدا

حشمتی بڑھتی ہی جاتی ہے یہ بیماری دل
کوئی اس درد کا ہوتا نہیں درماں پیدا

(۵۰) **بدر**۔ راجا گنگا پرشاد شاگرد گل محمد خاں ناطق مکرانی زیادہ حال معلوم نہ ہوا بیشتر فارسی کہتے تھے ان کی دو غزلیں فارسی میں جو رحمتی کے مشاعرہ چہارم کے گلدستہ میں نظر سے گزریں وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا صرف ایک ہی شعر مندرج ہے۔

غزل

اول از بارگہ عشق نشانم دادند
بعد ازیں منصب فریاد و فغانم دادند

ناخدا ترس بتانند کہ از سنگدلی
شیشۂ دل بشکستند و ہمانم دادند

آستینے نفشانند بچشم نمناک
بدم مرگ کفن ز آب روانم دادند

وائے بیرحمی و فریاد ازیں بیدادی
دل ربودند بشادی غم جانم دادند

دل بدادند مگر صاعقہ کردار طپاں
چشم دادند و لے اشک فشانم دادند

دوشم از بار فراقش نہ سبک شد تا زیست
بعد مردن بہ کرایں خرقہ ندانم دادند

گردش چرخ بیک چشم زدن پیش فگند
پیش ازیں آنکہ ہمہ شوکت و شانم دادند

اے دل فاختہ خو بند لب آہ کش
مژدۂ زاہداں سرو روانم دادند

شکوہ نیست بجز شکر و صبوری اے بدر ٭
گرچہ صد داغ بدل ماہ رخانم دادند

تا کہ سودائے سر زلف بتانم دادند
پائے دل در خم زنجیر گرانم دادند

طاقتم طاق مرضہائے فراقش کردند
قوت ضعف سراپا بہ توانم دادند

چشم بد دور کہ از ساغر چشم بدست
بادۂ ہوش ربا مغبچگانم دادند

چہ زنم گام بہ میدان فراغ عشرت
در کف طالع یا لنگ عنانم دادند

از مئے صاف محبت چو حقم بشمردند
جرعۂ چند دمادم بدہانم دادند



شکر الحمد کہ بالاف زنی کائے نیست
صفت عاجزی و ضبط چنانم دادند

خدمت دشت نوردی چو بیاباں آمد
از پے آہ زنی حکم روانم دادند

رہزناں صف مژگاں بسر منزل وصل
ہمہ تاراج متاع دل و جانم دادند

جہل با جاہل اجہل نتواں کرد خموش
تو بداں بدر کہ گویا نہ زبانم دادند

(۵۱) **شاد**۔ رائے درگا پرشاد عظیم آبادی راجا رام نراین موزوں کے ورثا میں تھے مردان علی خاں رعنا کے شاگرد رشید اور خود صاحب دیوان تھے ان کا دیوان اور ان کی تصنیف سے ایک مثنوی موسوم شگوفۂ محبت کے قلمی نسخے گزشتہ سال پٹنہ کی اردو نمائش میں پیش کئے گئے تھے مثنوی غالباً طبع بھی ہوئی تھی لیکن اب مطبوعہ نسخہ نایاب ہے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا مختصر ذکر اور ایک شعر پایا جاتا ہے۔

دن کو جو شغل گریہ ہے تو شب کو آہ کا
پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

کنور سکھراج بہادر رحمتی کے مشاعروں میں سنہ ۱۲۹۵ھ میں انہوں نے غزلیں پڑھی تھیں۔ تین گلدستوں میں ان کا کلام نظر سے گذرا جو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

سر سبز ہو یہ چمن ہمیشہ
قایم رہے انجمن ہمیشہ

ہیں ہجر میں خستہ تن ہمیشہ
پابند غم و محن ہمیشہ

افسردہ چمن میں دیکھ مجکو
گل رہتے ہیں خندہ زن ہمیشہ

اے جان جہاں تمہیں ہے زیبا
یہ ناز یہ بانکپن ہمیشہ

آخر کو یہی لباس ہوگا
پہنے ہی رہو کفن ہمیشہ

مرقد میں یاد رفتگاں سے
خلوت میں ہے انجمن ہمیشہ

بس دیکھ کے تیری شوخ چشمی — وحشت میں پھرے ہرن ہمیشہ

ثابت نہ ہوا دہن تمہارا — باتوں میں رہا سخن ہمیشہ

تیغ ابرو کی یاد میں آہ — رہتا ہوں میں خستہ تن ہمیشہ

یہ مشک ہوا نہ دور چیں سے — زلفوں میں رہی شکن ہمیشہ

اے دل تو اگر ہے مائل عشق — پڑھ قصۂ نل دمن ہمیشہ

زنار گلے میں عشق کا ہے — اوس بت کا ہوں برہمن ہمیشہ

پھر خط نہ ہو نکل کے غایب — سورج میں رہا گہن ہمیشہ

عاشق پائے وصال معشوق — بلبل کو ملے چمن ہمیشہ

زلف مشکیں کی نکہتوں سے — مہکے چین و ختن ہمیشہ

اللہ رے جوش قلزم فکر — مضمون ہے موج زن ہمیشہ

مجھ سے دم بھر کی گرم جوشی — غیروں سے ہے یہ چلن ہمیشہ

شیریں نے کبھی نہ بات پوچھی — مرتا رہا کوہ کن ہمیشہ

گردن میں مری بندھی ہے تا زیست — ان گیسوؤں کی رسن ہمیشہ

مجنوں ایک لیلی کا بنا ہوں — اس سے بھاتا ہے بن ہمیشہ

سویا جو لپٹ کے رات وہ گل — سونگھا کیا پیرہن ہمیشہ

بس دیکھ کے میرے زخم سینہ — ہوتے ہیں وہ خندہ زن ہمیشہ

ہے طبع رواں میں جوش مضموں — یہ بحر ہے موج زن ہمیشہ

دل کے دینے کا یہ مزا ہے — جھیلے رنج و محن ہمیشہ

بوسہ کی طلب پہ وائے قسمت — پھیرے ہے وہ دہن ہمیشہ

اک رات کے وصل کی حسد پر — دشمن کو رہی جلن ہمیشہ



ہے باعث فرحت دل و جاں — شغل شعر و سخن ہمیشہ

سو عذر کیے کبھی نہ آئے — اچھا نہیں مکر و فن ہمیشہ

پھولوں میں نہ جامہ میں سمائیں — بر میں جو ہو گلبدن ہمیشہ

سن سن کے مرا کلام اے شاد — دل شاد ہیں اہل فن ہمیشہ

دن کو جو شغل گریہ ہے تو شب کو آہ کا — پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

رکھا نہ دیر کا نہ مجھے خانقاہ کا — یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

دشمن بنا دیا مجھے اک رشک ماہ کا — یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

اچھا نتیجہ مجکو دکھایا ہے چاہ کا — یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

دکھلائے پیچ پاکل شبرنگ کے مجھے — کیونکر نہ شکوہ میں کروں بخت سیاہ کا

راتوں کو ٹھہرتے ہیں ان کو خبر نہیں — شاید اثر بھی جاتا رہا اپنی چاہ کا

رہتا ہے کچھ بھی باقی نہ مرقد میں امتیاز — ہے ایک حال اس میں گدا اور شاہ کا

ہم سے ہے احتیاط رقیبوں سے اختلاط — ظالم نے خوب ڈھنگ نکالا ہے چاہ کا

اے اگر جفا یہ وہ سفاک کینہ جو — دنیا میں پھر محل نہیں کوئی پناہ کا

قاتل لہو رلائیگا یہ ظلم حشر میں — ناحق تو خون کرتا ہے مجھ بے گناہ کا

بے وجہ ہے ابھی سے قیامت کی بے رخی — کیونکر بھلا خیال ہو تم سے نباہ کا

مژگاں کی صف کھڑی ہے برابر جمی ہوئی — مشکل ہوا ہے بچنا بھی تیر نگاہ کا

مانو نہ مانو تم کو ہے ہر طرح اختیار — احوال سن تو لو مرے حال تباہ کا

موسیٰ لگا میں سرمۂ طور اپنی آنکھ میں — مجکو ہے نور عین غبار اس کی راہ کا

اے شاد مجکو کچھ نہیں روز جزا کا غم — رکھتا ہوں میں وسیلہ حبیب الٰہ کا

دیگر

ہمارا یار گر ہم سے جدا ہو — خدا جانے ہمارا حال کیا ہو

یہی ہے آرزو اپنی خدا سے — کہ اس بت سے بر آئے مدعا ہو

ہے باعث فرحتِ دل و جاں
شغلِ شعر و سخن ہمیشہ

سو عذر کئے کبھی نہ آئے
اچھا نہیں مکر و فن ہمیشہ

پھولوں میں نہ جامہ میں سمائیں
بر میں جو ہو گلبدن ہمیشہ

سن سن کے مرا کلام اے شاد
دل شاد ہیں اہل فن ہمیشہ

دن کو جو شغل گریہ ہے تو شب کو آہ کا
پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

رکھا نہ دیر کا نہ مجھے خانقاہ کا
یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

دشمن بنا دیا مجھے اک رشک ماہ کا
یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

اچھا نتیجہ مجکو دکھایا ہے چاہ کا
یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا

دکھلائے پیچ کاکل شبرنگ نے مجھے
کیونکر نہ شکوہ میں کروں بخت سیاہ کا

راتوں کو کاٹتے ہیں ان کو خبر نہیں
شاید اثر بھی جاتا رہا اپنی چاہ کا

رہتا ہے کچھ بھی باقی نہ مرقد میں امتیاز
ہے ایک حال اس میں گدا اور شاہ کا

ہم سے ہے احتیاط رقیبوں سے اختلاط
ظالم نے خوب ڈھنگ نکالا ہے چاہ کا

آئے اگر جفا پہ وہ سفاک کینہ جو
دنیا میں پھر محل نہیں کوئی پناہ کا

قاتل لہو رلائیگا یہ ظلم حشر میں
ناحق تو خون کرتا ہے مجھ بے گناہ کا

بے وجہ ہے ابھی سے قیامت کی بے رخی
کیونکر بھلا خیال ہو تم سے نباہ کا

مژگاں کی صف کھڑی ہے برابر جمی ہوئی
مشکل ہوا ہے بچنا بھی تیر نگاہ کا

مانو نہ مانو تم کو ہے ہر طرح اختیار
احوال سن تو لو مرے حال تباہ کا

موسیٰ لگائیں سرمۂ طور اپنی آنکھ میں
مجکو ہے تو عین غبار اس کی راہ کا

اے شاد مجکو کچھ نہیں روز جزا کا غم
رکھتا ہوں میں وسیلہ حبیب اِلٰہ کا

دیگر

ہمارا یار گر ہم سے جدا ہو
خدا جانے ہمارا حال کیا ہو

یہی ہے آرزو اپنی خدا سے
کہ اس بت سے بر آئے مدعا ہو

کیا الف پھر ہے کیا شانِ خدا ہے ظاہر
شانہ گیسو پہ کبھی شانے کے اوپر گیسو

(۵۳) **شائق**۔ منشی للتا پرشاد آبائی وطن فرخ آباد تھا عظیم آباد میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں کے ہو گئے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے اور رحمتی کے مشاعرہ چہارم کے گلدستہ میں ان کی یہ غزل ہے۔

نیرنگ دیکھ دیکھ کے اس کارگاہ کا
سالک ہوا نہ کوئی محبت کی راہ کا

واقف نہیں کہ ضد بھی فرشتوں کو مجھ سے کیا
نام عاصیوں میں لکھ دیا مجھ بے گناہ کا

کان ان کے بھر گئے ہیں رقیبوں کی بات سے
سنتے نہیں وہ قصہ کسی دادخواہ کا

کیا کیا نحوستیں وہ دکھاتا ہے رات دن
شاید زحلِ ستارا ہے بخت سیاہ کا

خنجر عبث دکھاتا ہے قاتل تو دم بدم
مقتول میں تو ہوں تری تیغ نگاہ کا

کیوں مرغ دل کے واسطے پھندے کی ہے تلاش
کچھ کم نہیں ہے جال سے زلف سیاہ کا

خوبانِ سبز خط کی جدائی سے بعد مو
کاہیدہ جسم پر مرے دھوکا ہے کاہ کا

بے شرمی سے اگر رخ روشن کے ہو حضور
کافور نور ہووے رخ مہر و ماہ کا

تریاق وصل ہے مری عیسیٰ نفس دوا
کاٹا ہوا ہوں ہجر کے مار سیاہ کا

وعدے کئے تھے آپ نے جو جو شب وصال
ایفا جو کیجئے تو مزا اٹھے چاہ کا

ڈوبے گا ایک دن تو بحر وصال میں
شائق اگر ہے شوق تہ دل سے چاہ کا

(۵۴) **شمس**۔ منشی پرمیشر سہائے ساکن عظیم آباد۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے انجمن رحمتی کے مشاعرہ سنہ ۱۲۹۵ھ کے ایک گلدستہ میں ان کی یہ غزل مندرج ہے۔

ہاں یہ مانا کہ جو نکلے بھی تو مر کر نکلے
پر یہ حیرت ہے کہ اس کوچے سے کیونکر نکلے

دیکھ کے حسن بتاں منہ سے نکلتا ہے درود
پھول بنکر مری نظروں میں وہ پیکر نکلے

لحنت دل اپنا کھایا ہے خون جگر پیا | فرقت میں اک حسین کے برائے چاہ کا
بدر منیر گھٹتا ہے ہر روز کس لئے | شاید کہ حسن دیکھا ہے اوس رشک ماہ کا
اس ہستی دو روزہ پہ دو دن کے واسطے | اے منعمو کرو نہ غرور اپنی جاہ کا
زوروں پہ وحشت اُئے تو جڑ سے اکھاڑ دوں | سمجھیں گے کوہ قاف کو ہم برگ کاہ کا
الزام تجکو کیا دوں تری کچھ خطا نہیں | اے بت ترا بھلا ہو برا ہوے چاہ کا
یوں زار ہو کے تیری گلی میں پڑا ہوں میں | جس طرح راہ پر ہو کوئی برگ کاہ کا
گیسو نہ فکر کیجئے عقبیٰ کی دل میں آپ | دھوئیں گے رو کے اشک سے دفتر گناہ کا

(۵۷) جمیلؔ۔ لالہ امر چند ساکن آرہ تلمیذ صفیر بلگرامی۔ ان کا کلام ان کے ورثا کے پاس تھا راقم کو پتا نہ ملا۔ صفیر کے دیوان اول موسوم بہ صفیر بلبل میں جمیل کا کہا ہوا قطعہ تاریخ طبع ہے وہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

میر فرزند احمد عالی ہمم یعنی صفیر | ہیں وہی راس الرئیس و مرجع برنا و پیر
سال تاریخ ان کے دیوان کا جمیل خوشنوا | از سر زور طبیعت لکھ کلام بے نظیر

(۵۸) خبرؔ۔ بابو بلدیو پرشاد اگروال باشندہ آرہ تلمیذ صفیر بلگرامی۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ ان کا کلام بہت تھا لیکن دستیاب نہ ہوا۔ شاہ قمرالدین حیدر قمر آروی کی مثنوی سراج دولت میں ان کا یہ قطعہ تاریخی فارسی میں طبع ہوا تھا۔

قطعہ

قمر صاحب طبع روشن بدہر | عیاں کردہ چوں حسن طبع نکو
سن عیسوی وقت اتمام طبع | شدہ، نظم تر شد ز کلکم شنو
۱۸۹۴

صفیر بلگرامی نے جلوہ خضر میں ان کا ذکر کیا ہے۔



(۵۹) نظرؔ۔ بابو باسدیو داس رئیس آرہ تلمیذ حکیم سید شاہ قمرالدین حیدر قمر آروی عرف شاہ قمر۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کا کلام موجود تھا لیکن اب نایاب ہے اپنے استاد قمر کی مثنوی سراج دولت کی انہوں نے بھی تاریخ طبع کہی تھی وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

نظم رنگیں قمر در عالم | ہست عزت دہ گلزار بہشت
سن طبعش نظر از فکر رسا | تحت شاقہ نظم نوشت
۱۸۹۴

(۶۰) افسرؔ۔ راجا پد مانند سنگھ بہادر۔ راج بنیلی وکھر گپور ضلع پورنیہ و بھاگلپور کے مالک تھے۔ ۱۸۸۳ء میں انتیس سال کی عمر میں اپنے والد مہاراجہ لیلانند سنگھ کی جگہ پر مسند نشیں ہوئے اردو فارسی انگریزی اور بنگلہ ہر چہار زبان میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ گاہ گاہ اشعار بھی کہتے تھے۔ خمخانۂ جاوید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو | لب بلب سینہ بسینہ ہو آج کی رات
بل بے شوخی کہ مجھے آپ تو بھیجا نہ جواب | خط نہ لکھنے کا گلا اس پہ ہوا الٹا ئے شوخ
چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد | شمع جلکر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
قدرداں ہم ہیں ہمیں لے کے سنگھاؤ صاحب | مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہو گئیں | تیغ اجل نے کاٹ دئے دست و پائے حس

(۶۱) عاجزؔ۔ منشی میوا لال متوطن ضلع گیا۔ محکمہ پولس میں سب انسپکٹر تھے ۱۸۸۲ء میں دربھنگا میں اپنے عہدہ پر کام کرتے تھے اس زمانہ

میں ان کے یہ اشعار گلدستہ پیام یار (بابت ماہ نومبر سنہ ۱۸۸۶ء) میں شایع ہوئے تھے۔

شب ہجراں ہمارے نالہ و آہ — عجب کیا ہے ہلادیں آسماں تک
دل ناداں سمجھتا ہی نہیں کچھ — بھلا اس کو میں سمجھاؤں کہاں تک

پنشن یافتہ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے کلام کا ایک مختصر مجموعہ موسوم کلید گنجینۂ توحید، سنہ ۱۹۲۷ء میں شایع کیا تھا یہ مختصر مجموعہ سولہ صفحوں کا ہے ان کا کلام صوفیانہ رنگ کا ہے۔ پھر سنہ ۱۹۳۰ء میں دوسرا مجموعہ موسوم بہ سرّ توحید شایع کیا تھا۔

عالم غیب سے عاجز یہی آتی ہے صدا — کچھ نہیں ہے کہیں مجھ واحد مطلق کے سوا
جلوۂ ذات خداوند تعالیٰ میں ہوں — علم توحید و تصوف کا تجلا میں ہوں
خود ہی طالب ہوں میں خود ہی ہوں مطلوب اپنا — خود ہی معشوق ہوں خود عاشق شیدا میں ہوں
خدائی کھیل ہے جس کو عالم سو وہ بھی ہے اک خیال میرا — بدلنا صورت ہزار ڈھب سے ہر ایک دم میں ہے حال میرا
کہیں ہوں سورج کہیں ہوں ذرہ کہیں ہوں دریا کہیں ہوں قطرہ — دو نور کثرت سے اپنی مجکو ہوا ہے ملنا محال میرا

اس کے بعد ایک مستزاد، اٹھارہ رباعیاں اور چند غزلیں ہیں اول رباعی یہ ہے۔

دنیا ہے حقیقت میں خمار ہستی — ہیں خاک یہ سب نقش و نگار ہستی
جانا نہ صفائی پہ جہاں کی عاجز — مٹی میں ملائے گا غبار ہستی

(۶۲) **صادق**۔ بابو پربھو نرائن۔ گیا کے اطراف میں کسی دیہات کے رہنے والے تھے اور رانچی میں عدالت کے مختار تھے۔ رسالہ پیام یار لکھنو بابت ستمبر سنہ ۱۸۸۶ء میں ان کی غزل شایع ہوئی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

تعجب کچھ نہیں جل جائے گر عرش — پہونچتے ہیں یہ نالے لامکاں تک



(۶۳) **ستم**۔ منشی درگا پرشاد خلف منشی ہیرالال قوم کایستھ ساکن گیا۔ سنہ ۱۸۴۷ء کے قریب پیدا ہوئے۔ شاعری میں کیفی گیاوی سے اصلاح لیتے تھے پھر سلیمان خاں جادو ساکن کواتھ ضلع آرہ کو بھی اپنا کلام دکھاتے تھے سنہ ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

صاف آئینہ نہ ہو تو وہ صورت نما نہ ہو — صورت نما نہ ہو تو وہ صاف آئینہ نہ ہو
رگڑ رگڑ کے جبیں سنگ آستانۂ یار — مٹا دیا نہو تجکو تو میرا نام نہیں
ہمیشہ چلتے پھر پھر آنا یہی تماشا ہوا کریں گے — ہوا رہیگی خلاف جبتک تو الٹے دریا بہا کرینگے

(۶۴) **بیتاب**۔ لالہ کشن نرائن متوطن بھاگلپور سنہ ۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے ان کا ایک دیوان شایع ہوا تھا مگر راقم کو دستیاب نہوا۔ ان کے دو شعر ایک صاحب کو یاد تھے وہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

ہوائے سیر گلستاں میں ہوں میں سرگرداں — پھرے گا ساتھ ہمارے کہاں کہاں صیاد
ترے کوچہ کے لاکھوں راستے ہیں — بھلا کیونکر نہ دھوکا کھائے عاشق

(۶۵) **الفت**۔ لالہ اننت رام عظیم آبادی فارسی اور اردو دونوں بانوں میں کہتے تھے ان کا ذکر تاریخ شعرائے بہار میں بھی پایا جاتا ہے خم خانہ جاوید کے مطابق سنہ ۱۸۸۰ء میں حیات تھے۔

رحمتی کے مشاعروں کے تین گلدستوں میں ان کا کلام راقم کی نظر سے گذرا جو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۲۹۵ھ تک یقیناً زندہ تھے۔

رباعی مندرجہ گلدستہ سوم

گذرے ایام نوجوانی افسوس — وہ رنگ شباب ارغوانی افسوس
پیری آئی کہ کوئی قاصد آیا — لایا ہے جواب زندگانی افسوس

دیگر

وہ عیش وہ ساز اے جوانی افسوس — وہ وصل کی شب وہ شادمانی افسوس
کیا حال کہوں جو تیری صحبت چھوٹی — تنہائی گو دبے زبانی افسوس

## غزل

دیکھی تری انجمن ہمیشہ — تھا پیش نظر چمن ہمیشہ
زخموں سے ہے زیب تن ہمیشہ — گلنار ہے پیرہن ہمیشہ
ممکن نہیں وصل ہو میسر — اغیار ہیں رخنہ زن ہمیشہ
تھا دل کو لگاؤ ابروؤں سے — دیکھا کئے بانکپن ہمیشہ
کرتا رہا ہم سے آسماں چال — کج اس کا رہا چلن ہمیشہ
ناقوس عبث بتوں کے آگے — پھونکا کئے برہمن ہمیشہ
اثبات دہن میں گفتگو کیا — غیروں سے جو ہو سخن ہمیشہ
جاتا نہیں مے کشی کا لپکا — مستانہ رہا چلن ہمیشہ
کیا تیغ ہے باڑھ پر تمہاری — جوہر سے ہے موج زن ہمیشہ
نرگس کی نظر کہیں نہ لگ جائے — جایا نہ کرو چمن ہمیشہ
اللہ رے اشک کی روانی — چشمے ہیں یہ موج زن ہمیشہ
چوٹی کا بندھا نہ ہم سے مضمون — الجھا ہی رہا سخن ہمیشہ
ساقی سے ہے وارستگی ہم کو — میخانہ رہا وطن ہمیشہ
مژگاں کی خلش گئی نہ دل سے — پہلو میں ہے نیش زن ہمیشہ
کوچہ ہے بتوں کا دل سے ہشیار — ہیں گھات میں راہزن ہمیشہ
کس بت نے سنی صدائے تکبیر — زاہد رہے نعرہ زن ہمیشہ
غربت میں بھی ہم تھے فارغ البال — تھا پیش نظر وطن ہمیشہ



کیونکر نہ ہو عشق دشمنِ جاں — ہے باعث صد محن ہمیشہ
ہم مست ہیں پھول لے رہے ہیں — ہے مدِ نظر چمن ہمیشہ
تھی دل کو جو کمر کی الفت — بڑھتا رہا ضعفِ تن ہمیشہ
داغوں سے ہوا یہ لطف حاصل — پہلو میں رہا چمن ہمیشہ
مرتے رہے جیتے جی بھی تم پر — تھا جامہ تن کفن ہمیشہ
گیسو کا ہے تیرے گرم بازار — سودا کا رہا چلن ہمیشہ
عقدہ یہ کھلا ترے دہن کا — سربستہ رہا سخن ہمیشہ
کیا زور ہے اضطراب دل کا — اک برق ہے شعلہ زن ہمیشہ
ہے دل میں ہجوم درد و غم کا — دن رات ہے انجمن ہمیشہ
ساقی وہ مئے دو آتشہ دے — جو دل میں ہو شعلہ زن ہمیشہ
وصف رخ گل رخاں سے الفت — رنگیں ہے مرا سخن ہمیشہ

دیگر گلدستہ چہارم

تھا دل کو عشق سرمۂ چشم سیاہ کا — نعرہ بلند ہو نہ سکا اپنی آہ کا
حامی خدا ہے آج بتو داد خواہ کا — جھنڈا اگڑا ہے عرش معلّی پہ آہ کا
تو وہ بنا چکے جو مجھے گرد راہ کا — تو پھر ہدف بھی کیجئے تیر نگاہ کا
دنبالہ ہے یہ سرمۂ چشم سیاہ کا — یا ہے نشان میل پرستاں کی آہ کا
دیوانہ ہوں میں آپ کی ترچھی نگاہ کا — ڈھیلا مجھے لگائیے چشم سیاہ کا
سودا ہوا ہے یار کی زلف سیاہ کا — پھر سلسلہ بڑھا ہے مرے دل کی آہ کا
کاوا دکھا دو آج سمند نگاہ کا — باندھا ہے گھر جو حلقہ زلف سیاہ کا
کچھ غم نہیں فراق کے روز سیاہ کا — ہے دل میں عشق ایک بت رشک ماہ کا
ہاتھوں میں ان کے شوخیٔ رنگ حنا نہیں — ہیتھے چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا
ہوتے ہیں قتل جنبش ابرو سے سیکڑوں — پھر ذکر کیا ہے آپ کی تیغ نگاہ کا

پھاڑا ملائکہ نے مرا نامۂ عمل　　جب ہو سکا حساب نہ جرم و گناہ کا
عشاق مر رہے ہیں لگاوٹ پہ آجکل　　انداز کچھ نیا ہے تمہاری نگاہ کا
افشاں کو ان کی ہم نے کہا انجم فرقداں　　قائل ہوا ہے ہم سے منجم نگاہ کا
کرلیں گے بحث داور محشر کے سامنے　　دیکھیں تو کیا بیان وہاں ہو گواہ کا
دل پیشکش ہے نذر ہے یہ جان زار بھی　　لکھدیں مگر حضور مچلکا نباہ کا
جب ہو گیا ہے دیدۂ گریاں سے سامنا　　پانی ہوا ہے گھل کے دم ابر سیاہ کا
کیا شب کو کٹ گیا مہ کامل بھی دیکھکر　　چمکا جو سر پہ ان کے ستارہ کلاہ کا
کیا چل رہی ہے تیغ لگاوٹ کی چال واہ　　انداز اڑا لیا ہے تمہاری نگاہ کا
دل ہاتھ سے سمجھ کے حسینوں کو دیجئے　　قصہ نہیں سنا ہے فرشتوں کی چاہ کا
بیعت مجھے بھی مشرب پیر مغاں میں ہے　　ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا
کعبہ کنشت شیخ برہمن سے کام کیا　　حافظ خدا ہے بندۂ بے دستگاہ کا
آخر پکار اٹھیں گے فرشتے بھی الاماں　　قصہ کا گھر ہے شور مرے دل کی آہ کا
کچھ بھی حقیقتِ گور کا اے منعمو خیال　　دو دن فقط بلند ہے گوشہ کلاہ کا
الفت سفر ہے دور کا منزل بھی ہے کڑی　　تم کو خیال کچھ بھی نہیں زادِ راہ کا

دیگر (گلدستۂ نجم)

اعجاز نما عشق بت مہر لقا ہو　　داغ دل عاشق ید بیضا سے سوا ہو
شوریدہ سری میں سر گیسوے رسا ہو　　دیوانے کو لازم ہے کہ زنجیر بپا ہو
کب خندۂ گل گریۂ بلبل کی صدا ہو　　کب دیکھئے گلشن میں یہ تاثیر ہوا ہو
نالہ جو کروں شور قیامت سے سوا ہو　　عالم تہ و بالا ہو خدا جانے کہ کیا ہو
آباد یہ میکش رہیں ساقی کا بھلا ہو　　پھر قلقلِ مینا کی بلند آج صدا ہو



پھر زخم مرے دل کا کہیں آج ہرا ہو　　قاتل دم شمشیر دم باد صبا ہو
اے جان جو ہے وعدۂ وصل آج وفا ہو　　کس کو ہے خبر کل کی خدا جانے کہ کیا ہو
مدت سے جواب خط جاناں نہیں آیا　　کیا جانئے کچھ غیر کا نقشہ نہ جما ہو
کس کس کو مری طرح کیا عشق میں برباد　　اس الفت کافر کا بھی البتہ بھلا ہو
کیوں صبح سے پھر آج بھی آشفتہ سری ہے　　لائی نہ صبا کوچۂ گیسو کی ہوا ہو
اتنا نہ ستم ڈھائیے انجام برا ہے　　یوں جان کسی کی جو نکل جائے تو کیا ہو
جب ہم نہ سزاوار ہوئے لطف و کرم کے　　پھر کس کو بھلا آپ سے امید وفا ہو
لازم نہیں یوں غیر سے تفریح کی باتیں　　بڑھ جائے ہنسی میں جو کوئی بات تو کیا ہو
ہم وصل سے باز آئے جو ہے آپ کو انکار　　بوسے کے جو اقرار بھی فرمائیے کیا ہو
بستر پہ مری جان بچھایا نہ کرو پھول　　نازک ہو رگ گل کہیں چبھ جائے تو کیا ہو
کہتی تھی حدی خواں سے یہی نجد میں لیلیٰ　　دیکھو بس ناقہ نہ کوئی آبلہ پا ہو
صیاد یہ کیا طرفہ ہے انصاف چمن میں　　گل چیں کا ستم گل پہ ہو بلبل کی سزا ہو
انداز سے باہر ہیں قدم دیکھ کے چلئے　　ٹھوکر سے مری جان قیامت نہ بپا ہو
اے شوق سمجھ کر رہ الفت میں اٹھے پاؤں　　یہ راہ وہ ہے خضر کو بھی لغزش پا ہو
لا ڈھونڈ کے مضمون نئے غیب سے کوئی　　پیدا تو نئی بات کوئی فکر رسا ہو
تھا خط کے سوا اور بھی پیغام زبانی　　ڈر ہے کہ نہ کچھ حال رقیبوں نے سنا ہو
قاصد جو وہ مجھ زار کو پوچھے تو یہ کہنا　　مہمان تھا دم بھر کا رہا ہو نہ رہا ہو
الفت جو وہ بت ہو گیا ہے غیر کا مانو　　جانے دو اسے تم بھی کسی اور کو چاہو

دیگر

شاق گلگشت چمن ہو بلبل ناشاد پر　　فصل گل ہے کھول دے بہر خدا صیاد پر
حسن آرائش نے آمادہ کیا بیداد پر　　. . . . . . . . . . . . . .

ہچکیاں آتی ہیں پیہم آج کس کی یاد پر
گوش کس گل پیرہن کا ہے مری فریاد پر

مایل حسن پری رویاں ہوا تھا جب سے دل
تھا پریشانی کا شک مجموعۂ اضداد پر

ضعف میں اندیشۂ صیاد ہم رکھتے نہیں
آستاں اپنا ہے موجِ نکہتِ برباد پر

کیوں رہا کرتے ہیں قاتل زخمِ دل خنداں مدام
زعفرانی تاب ہے کیا خنجرِ فولاد پر

مو بمو حسن صفا سے شکل جوہر ہو گیا
آئینہ کا ہے گماں اب قدِ آدم زاد پر

حشر کے دن کیا ہمارے خون کا محضر بنگیا
پڑ گئے دھبے جو خوں کے دامنِ جلاد پر

آج موجِ جنبشِ رفتارِ نازِ یار سے
کیا لبِ جو چل گیا آرہ سرِ شمشاد پر

درد سر عشقِ لبِ شیریں میں کم تو نہیں
اب چڑھائیں چل کے تیشہ تربتِ فرہاد پر

بیکسی میں واہ رے غمخواری طفلِ سرشک
آنکھ کے رستے سے دوڑ آئے مری فریاد پر

بعد مدت کس تمنا سے بر آئی ہے مراد
ہے جنازہ اپنا دوشِ بانیٔ بیداد پر

وحشت افزا آمدِ فصلِ بہاری پھر ہوئی
نالۂ دل کچھ اثر دکھلا دلِ صیاد پر

یہ تری خاطر سے رنجش ہے طبیعت کے خلاف
تیرے لیتے ہیں مئے ساقی کسی کی یاد پر

اپنی یکتائی کے قائل آج خود ہی وہ ہوئے
ہو گیا سکتے کا عالم حیرتِ بہزاد پر

یہ خدا کی شان ہے پایا توں نے بھی فروغ
ہو گئے عاشق فرشتے حسنِ آدم زاد پر

ہے دعا یہ اور محشر سے الفت کی مدام
حشر میں سایہ ہو رحمت کا مرے استاد پر

فارسی

امشب مئے گلرنگ مغاں بر سرِ جوش است
با نالۂ قلقل بطِ مئے کوس بگوش است

درکوچۂ الفت گذرے افتاد صبارا
امروز نسیمِ سحری عطر فروش است

از آتشِ تر ساقیٔ گلفام برافروز
ایں شعلۂ فریاد کہ بے کیف خموش است

افشاں جبیں جلوہ ز پرتو دگر افروز
مہر است کہ در شیشۂ پری بادہ بدوش است



زہ نمود گرانجانیٔ من تا اثر آخر
خاکم بدم باد صبا بار بدوش است

از موسمِ گل مژدہ سرِ خارِ مغیلاں
خونِ رگِ دیوانۂ شوریدہ بجوش است

بے کیف مغاں شیشۂ خالی ست دماغم
زاں نالۂ من از نفسِ خود بخروش است

چوں بلبلِ شیراز غزل خوانیٔ الفت
اندر چمنِ ہند زہر نغمہ بگوش است

دیگر

ترک من شست از پئے صید کبوتر بستہ
کافری نیت بہ آزار ہمہ پر بستہ

جور زلف مشکبو اے شوخ برسر بستہ
از خطا آہوست گفتن نافہ برسر بستہ

تاج شبنم بر سر افشاں چیدہ لطفے میدہد
در تہِ آبِ رواں اے شوخ اخگر بستہ

کیست ایں طفل پریزاد حسیں بالا دوش
طرفہ ایں پیوند با نخل صنوبر بستہ

تا کشیدی در قفس صیاد رحمے بایدت
حیف باشد چشمِ مرغانِ چمن بر بستہ

شرم صیاد از پرواز رنگ رخ بس است
ہمچو بوئے گل ہوا خواہم اگر پر بستہ

الفت از موجِ سرشکِ خویش طوفاں خواستی
دامن از ابرِ تر دیدہ کہ تر بستہ

(۶۶) **بسمل** ۔ منشی منولال متوطن عظیم آباد قوم کایستھ ماتھر۔ انجمن رحمتی کے تین گلدستوں (سنہ ۱۲۹۵ھ) میں ان کی غزلیں طبع ہوئی تھیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں سنہ ۱۲۹۶ھ کے بعد انتقال کیا۔

سنتے تو رہے سخن ہمیشہ
آیا نہ نظر دہن ہمیشہ

یوسف نہ ملا تو پیرِ کنعاں
سونگھا کئے پیرہن ہمیشہ

وہ چشم سیہ جو تھی نظر میں
دیکھے کالے ہرن ہمیشہ

بلبل کی دعا ہے دل یہی ہے
شاداب رہے چمن ہمیشہ

پروانہ صفت کسی کی لو میں
جلتا ہی رہا بدن ہمیشہ

بلبل جو کرے تمنا کسی کی
گلگیر رہے دہن ہمیشہ

پروانوں کے داغ دل سے ہر شب    روشن رہے انجمن ہمیشہ
مہتاب سے مہر سے زیادہ    چمکا کیا وہ بدن ہمیشہ
ہاتھوں سے جنوں کے قبر میں بھی    صد چاک رہا کفن ہمیشہ
بر آئے امید وصل کیونکر    افلاک ہیں رخنہ زن ہمیشہ
اے چرخ یہ کیسی کج روی ہے    اک جا نہ رہیں دو تن ہمیشہ
اس تیغ دو دم کی آرزو میں    پہنے ہی رہے کفن ہمیشہ
حالت یہ ہماری بے خودی کی    رہتے ہیں وہ خندہ زن ہمیشہ
سینہ میں حرارت تپ دل    یارب رہے شعلہ زن ہمیشہ
دلچسپ ہے گو مقام غربت    پر یاد رہا وطن ہمیشہ
کس ترچھی نگاہ کا ہوں بسمل    بھایا کیا بانکپن ہمیشہ

دیگر

فرش سے تا بہ لامکاں دیکھا    وہی آیا نظر جہاں دیکھا
بوئے گل کی طرح ہر اک شئے میں    کہیں ظاہر کہیں نہاں دیکھا
قصۂ شیخ و برہمن کچھ ہو    اپنے دل کو ترا مکاں دیکھا
اس کی قدرت کا اور صنعت کا    ہر ورق کو ترے نشاں دیکھا
ہر صنم کے جمال صورت میں    اپنے معشوق کو نہاں دیکھا
اب تو بوڑھے ہوئے لڑکپن سے    ان کو جب دیکھا نوجواں دیکھا
رہنے والو ریاض عالم کے    تم میں سے کس نے باغباں دیکھا
ایک ہے تو ہی جلوہ گر ہے تمام    خاک سے تا بہ آسماں دیکھا
چرخ کا دور تفرقہ پرداز    اپنے اور ان کے درمیاں دیکھا
عرش تھرّایا ایک نالے میں    آسماں آہ کا دھواں دیکھا



فرش سے عرش تک گیا بسمل    آہ کو تیری بے گماں دیکھا

کچھ بھی اثر دکھاؤں اگر اپنی آہ کا    دل پانی ہو کے بہ چلے ابر سیاہ کا
پہونچا ہے شعلہ تا بفلک میری آہ کا    پر جلتے ہیں فرشتوں کے غل ہے پناہ کا
اے دل نہ پڑ تو کاکل مشکیں کے پیچ میں    کاٹا کوئی بچا نہیں مار سیاہ کا
کہہ دیجیو پیام زبانی یہ نامہ بر    ہر سانس میں شرارہ نکلتا ہے آہ کا
دیکھا کبھی نہ بھر نظر اس خوف سے انہیں    دھبا لگے نہ گورے بدن پر نگاہ کا
دنیا فریب دیتی ہے ہر ہر قدم پہ کیوں    بھولا ہے چلنے والا کوئی سیدھی راہ کا
مقتل میں تیغ یار کی اس ناز سے چلی    تھا ہر دہان زخم سے غل واہ واہ کا
نیل و نہار ساتھ عیاں ہے کیا لطف ہے    گیسو ہے گورے گال پہ لٹکا جو شاہ کا
آجائیے کہ جان کے جانے کا وقت ہے    دم منتظر ہے آنکھوں میں بس اک نگاہ کا
دل آئینہ سے صاف زیادہ دکھاؤں گا    سہ سکے تو آئینہ ترے پیش نگاہ کا
جلسہ مشاعرہ کا عجب جائے لطف ہے    غل مچ رہا ہے ہر طرف اک واہ واہ کا
دھوکا اندھیری رات کا ہے روزگار کو    پھیلا دھواں جہاں میں جو بسمل کی آہ کا

دیگر

وہ چال چلو جس سے بھلا ہو کہ برا ہو    کچھ فرض یہی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو
جو عشق میں ثابت قدمی سے نہ ہلا ہو    کیا معنی بس مرگ خدا سے نہ ملا ہو
دل آپ کا ہم پر کبھی آجائے تو کیا ہو    ہم ہوں میں فنا آپ کی صورت کو بقا ہو
اس قالب عنصر سے نکل جاؤں تو کیا ہو    مٹی تو بنے آگ ہوا آب و ہوا ہو
اس گردش دوراں سے نکل جاؤں تو کیا ہو    نے ہم ہوں نہ تم ہو نہ زمیں ہو نہ سما ہو
بنیاد ابھی قطع کروں خواہش دل کی    ناراض ہوں اپنے سے اگر اس کی رضا ہو
وصلت کا مزا ہجر کے صدموں سے ملا ہو    معشوق کا عاشق کی زباں پر جو گلا ہو

اَفلاک کی آشفتہ سری سے ہو یہ پیدا | زلف ستم ایجاد کا سایہ نہ بڑا ہو
کھچ جائے اگر زوروں پہ اپنی کشش عشق | معشوق کا عشاق پہ اصرار سوا ہو
مہتاب حیا سے وہیں گر جائے زمیں میں | وہ مہر لقا آکے جو کوٹھے پہ کھڑا ہو
بے فائدہ اس فکر تردد کا بکھیڑا | ہوتا ہے وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہو
الجھاؤ ہیں دنیا کے پھنسا تھا دل بسمل | کیونکر کہوں اللہ سے واصل وہ ہوا ہو

(۶۷) **مشہور**۔ حکیم لچھمی پرشاد عظیم آبادی۔ طبابت کے پیشہ کے ساتھ شاعری کا مشغلہ بھی جاری رکھتے تھے اکثر مزاحیہ اشعار کہتے تھے۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے اور رحمتی کے مشاعروں کے دو گلدستوں میں ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ اشعار ذیل بطور نمونہ کلام درج کئے جاتے ہیں۔

مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں | مگر ہاں.... کے مینا میں تو ہے تل میں کنٹر میں
نہ پایا مادہ اس کا حکیموں نے بہت دیکھا | کفایہ میں قرابادیں میں بحر الجواہر میں
کہو مشہور تم نے سیکڑوں پھیرے کئے کیوں ہیں | گلی میں راستے میں راہ میں بازار میں گھر میں

---

مشتاق ہو اگر تو ہو عاشق پناہ کا | امیدوار ہو تو اسی بارگاہ کا
اب عابدوں سے کوچۂ جاناں تو بس گیا | احوال سے خراب ہر اک خانقاہ کا
میرے کلام عشق مجرب ہیں نسخہ جات | لیوے لڈا گلہ ہو جیسے ضعف باہ کا
کہتا گئے ہیں بھول سب اس جنگ گاہ میں | شیوشیو کا، گاڈ گاڈ کا اور لا الٰہ کا
اب دل میں بغض بیٹھ گیا ذکر اٹھ گیا | الفت کا دوستی کا محبت کا چاہ کا
دربار حسن میں ہے برابر مقدمہ | مفلس کا بھیوا کا تو انگر کا شاہ کا
مشہور ہو کہاں کہو اب کس کا ساتھ ہو | ہر وقت کا ہمیشہ کا شام و پگاہ کا

(۶۸) **رونق**۔ لالہ شو ناتھ سہائے ولد منشی کشن دیال صاحب ساکن بکری براواں ضلع گیا حضرت اکبر دانا پوری کے شاگرد تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ اور بریلی کے رسالوں میں آپ کا کلام اکثر شایع ہوتا تھا۔ خم خانہ جاوید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خوش خرامی میں بھی صاحب کی توجہ چاہئے | دیکھئے دل خاکساروں کے ہیں غلطاں زیر پا
وہ دل سے ایسا ہی سمجھیں تو لطف ہو ورنہ | لکھا جو عاشق شیدا خطاب کیا ہوگا
پاؤں میں چھالے جگر شق دل میں درد | ہیں فراق غم کا مبتلا ہو گیا
کس قدر پر درد ہے رونق زبان عندلیب | ہوش اڑ جاتے ہیں سن سن کر بیان عندلیب
بود و نابود انساں کے لئے مثل حباب | ہستی و نیستی ہے اپنی خبر کے مانند

(۶۹) **رحمتی**۔ کنور سکھراج بہادر خلف کنور ہیرا لال ضمیر عظیم آبادی عظیم آباد کے مشاہیر شعرا میں تھے۔ ۱۲۹۵ھ ہجری میں انہوں نے بڑے دھوم دھام سے پانچ مشاعرے کئے تھے جس میں صوبہ بہار کے اکثر نامی شعرا شریک ہوئے تھے۔ چار مشاعروں کے گلدستے (مطبوعہ) راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔

اپنے جد بزرگوار راجا پیارے لال الفتی کا دیوان انہیں نے ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں طبع کرایا تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کا کلام بہت کافی مقدار میں پایا جاتا ہے بعض منتخب اشعار یہ ہیں۔

## قطعہ بند

پھولا رہے یہ چمن ہمیشہ    لب پر رہے یہی سخن ہمیشہ
اللہ کرے رہے یہ سرسبز    حافظ رہے پنجتن ہمیشہ

مطلع

قایم رہے ضعف تن ہمیشہ    کوچہ ہو ترا وطن ہمیشہ

فارسی

دلا صبر و قرار من چہ کردی    ز دستم اختیار من چہ کردی
بہ ہجرش گشتۂ رشک چمن ہا    دل صد داغدار من چہ کردی
چہ کم بود است کوہ فرقت او    تو اے سنگ مزار من چہ کردی

پریشانی جو تھی لکھی ہوئی اپنے مقدر میں    نہ ہوتی کس طرح سودائے گیسو کی جگہ سر میں
یہیں تک دوستی اہل زمانہ کی ہے جو کچھ ہے    کوئی صورت بھی پھر اپنی نہ پہچانیگا محشر میں
دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلف شبگوں کو    اندھیرا سا نظر آتا ہے مجھکو ہر طرف گھر میں
یہ گلدستہ ہمارا چھپ گیا ہے رحمتی اب تو    رہے گا یادگار اپنا پس مردن بھی ہر گھر میں

کیوں منہ تکوں نہ دیدۂ حیرت سے چاہ کا    آئینہ روئے یار بنا ہے نگاہ کا
جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا    کیا فایدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا
سوز دروں سے جل گئے ہے سر جو مری خاک    آنکھ ان بتوں کی مجھکو ہے گوشہ پناہ کا
یوں بے حجاب بام پہ آیا نہ کیجئے    قابو میں دل رہے گا نہ اک اہل راہ کا
تکلیف دست و تیغ اٹھانے سے فایدہ    کافی ہے میرے قتل کو خنجر نگاہ کا
یوں جستجوئے یار میں ہے بیقرار دل    بھولا ہوا پھرے کوئی جس طرح راہ کا
بیگانہ بنکے پوچھتے ہیں حال رحمتی    تا جس میں ہو ارادہ نہ ظاہر نباہ کا



فارسی

دلم از دست ربودند و فغانم دادند    لذت جور و جفا ہا کہ ندانم دادند
چوں من رحمتی آبلہ پا را پرسید    کوہ و صحرا کہ وطن بود نشانم دادند

اردو

جب سلسلہ جنباں یہ تری زلف رسا ہو    عاشق ترا کس طرح نہ زنجیریہ پا ہو
اوروں سے تو آپ آنکھ لڑاتے ہیں ہمیشہ    میری بھی طرف اب نظر لطف ذرا ہو
وہ دختر رز کی نہ رہے تاک میں کیونکر    اس مست سے اے رحمتی دل جس کا لگا ہو

دیگر

شعلہ در آتش حسنش چو شراب ست امروز    مرغ نظارہ بردیش چو کباب ست امروز
رحمتی نالۂ زار تو قیامت بنمود    کز صدایش جگر سنگ چو آب ست امروز
نگہ از چشم مخمورش چہ ساں مستانہ می گردد    فرنگی زادۂ سرمست از میخانہ می گردد
ز شوق شعلہ رویان رحمتی سوزد جگر امشب    جگر در سینہ و سینہ چو آتش خانہ می گردد

اردو

تری ان مست آنکھوں کا کوئی دیوانہ بنتا ہے    تو بعد از مرگ اس کی خاک کا پیمانہ بنتا ہے
نہوئے دسترس غیروں کو زیب زلف محبوباں    ہماری ہڈیوں سے اسلئے اب شانہ بنتا ہے
خموشی لب پہ رکھنا رحمتی سکھراج بہتر ہے    خموشی کی بدولت دل خدا کا خانہ بنتا ہے
دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلف شبگوں کو    بلائیں آرہی ہیں میرے سر پر دیکھتے جاؤ
کسی کی مست آنکھوں پر مرا ہے رحمتی شاید    کہ بنتا خاک سے اس کی ہے ساغر دیکھتے جاؤ

(٧٠) حسرتی ـ لالہ سید ارشاد ابن لالہ مہراج سنگھ ساکن عظیم آباد وکیل عدالت دیوانی ـ حسرتی محکمہ صدر اعلانی میں ڈگری نویس تھے ـ

بیشتر فارسی کہتے تھے اور ناظر وزیر علی عبرتی سے اصلاح لیتے تھے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یارب بعرق آلودہ رخ یار من است ایں
یا قطرہ شبنم بگل یاسمن است ایں

اے حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دلم سوخت
پرکالۂ آتش کہ زبان و دہن است ایں

(٧١) **حامد** ۔ منشی گھمنڈی لال باشندہ مونگیر شاگرد حافظ ضیغم۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا یہ شعر ملا۔

نامۂ شوق رقم کرتا ہوں اسکو حامد
کیوں نہ دُود دل مشتاق کبوتر بنجائے

(٧٢) **فرد** ۔ منشی پیارے لال عظیم آبادی۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ ان کی ایک غزل گلدستہ عشرتی نمبر ٦٧١٣ مملوکہ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں نظر سے گزری یہ غزل انہوں نے "مشاعرہ ٢٣ ماہ شوال مطابق ١٦ ماہ جولائی شب یکشنبہ مقام کمرہ باؤلی مکان نواب لطف علی خاں بہادر سی آئی ای میں پڑھی تھی۔ گلدستہ میں سنہ مذکور نہیں ہے صرف دن اور تاریخیں درج ہیں۔

دام میں اس کے نہ آئیگا جو دانا ہوگا
دل ہمارا نہ کبھی مائل دنیا ہوگا

لائق سیر نہیں ہے یہ طلسم ہستی
اسکو سمجھے گا وہی جو کوئی بینا ہوگا

حق شناسی نہیں حصہ میں ہر اک کے یارو
سو میں دو ایک کا آئینہ سا سینا ہوگا

لاکھ تکلیف پہ تکلیف ہو خالق کے سوا
کبھی بندہ تو نہیں طالب دنیا ہوگا

فخر کی ان سے نہوگی جو خدا والے ہیں
وہ برا سمجھے گا اپنے کو جو اچھا ہوگا

جو خدا کا ہوا سمجھو کہ خدا اس کا ہے
خلق میں پھر نہ وہ محتاج کسی کا ہوگا

زاہدا گلشن فردوس وہی ہے مجکو
کوچہ یار میں مر کر جو ٹھکانا ہوگا



پھر تسکین ترا مثل کہاں سے لاؤں
نہ کوئی تھا نہ کوئی ہو نہ اب ایسا ہوگا

شعر گوئی کا رہا شوق تجھے گر ای فرد
بے یقیں خلق میں تو شاعر یکتا ہوگا

(٧٣) **حیرت** ۔ بابو جگیشر لال رئیس گیا۔ گیا لٹریری کلب کے خاص ممبروں میں تھے اور کلب کے مشاعروں میں اکثر شریک رہتے تھے۔ شمس العلماء سید امداد امام اثر سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ١٩١٠ء کے قریب انتقال کیا ان کی غزل جو مشاعرہ واقع ١٨٩٥ء کے گلدستہ میں شایع ہوئی بطور نمونہ کلام درج کی جاتی ہے۔ یہ گلدستہ ٦٦٦٤ مملوکہ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں موجود ہے۔

یارب کہیں وہ تن سے مرا سر جدا کرے
کب تک یہ بار دوش پہ میرے رہا کرے

چاہے جفا کرے وہ حسین یا وفا کرے
اب تو دیا دل اسکو جو چاہے خدا کرے

کب تک کوئی فراق کے صدمے سہا کرے
گھبرا کے مر نہ جائے جو انساں تو کیا کرے

موجود ہیں ہدف کو دل و دیدہ و جگر
تیر نگاہ یار جہاں چاہے جا کرے

وہ شمع رو بھی بزم میں ہے اور شمع بھی
پروانہ دیکھیں جان کو کس پر فدا کرے

ہر سبزہ کی زبان سے ہے حمد کبریا
غافل چمن میں گوش نصیحت جو وا کرے

آب بقا ہوا نہ سکندر کو دستیاب
تقدیر ہی رسا نہیں تدبیر کیا کرے

رخصت گلوں سے ہوتے کہ جاتی ہے فصل گل
صیاد بے وفا جو قفس سے رہا کرے

اُس وقت اپنے چاہنے والے کی قدر ہو
تم کو بھی جب کسی کا خدا مبتلا کرے

بندہ کو عذر کیا ہے جو مالک کی ہو رضا
راضی ہیں ہم اسی میں جو چاہے خدا کرے

برگشتگی بخت کے شکوے کہاں تلک
تقدیر ہے بگاڑ پہ تدبیر کیا کرے

حیرت خدا گواہ ہے اف بھی جو لب تک آئے
جو ظلم چاہے وہ بت نا آشنا کرے

(۷۴) **ہندو**۔ منشی بھولا ناتھ ساکن گیا تلمیذ سلیمان خاں جادو ساکن کوانٹھ ضلع آرہ۔ سن ولادت معلوم نہیں ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا ان کی غزل گیا لٹرری کلب کے گلدستہ ۱۲ر ۱۸۹۸ء میں شایع ہوئی تھی وہ نقل کی جاتی ہے یہ گلدستہ نمبر ۶۶۶۱ خدابخش لائبریری پٹنہ کی ملک ہے۔

باہر نقاب سے کہیں وہ رخ ذرا کرے — خورشید زرد رو ہو اگر سامنا کرے
سو بار آب گنگ سے منہ دھو لیا کرے — تب بحر حسن کا تیرے وہ بن شنا کرے
تعریف تیرے دنداں کی اے گل کیا کرے — سوسن صفت جو پیدا زباں موتیا کرے
گر حال پر مرے تو کرم ساقیا کرے — خم بھی لگا دے منہ سے نہ اُف بھی ذرا کرے
بیٹھے ہیں اس کے کوچہ میں اب جو خدا کرے — جور و ستم کرے وہ صنم یا وفا کرے
کھینچا تھا جو کبھی ترا نقشہ اے سیم تن — پیدا تو ایسا دوسرا دستِ خدا کرے
پیغام وصل سُن کے یہ کہنے لگا وہ شوخ — لے فصد وہ ابھی ذرا اپنی دوا کرے
ہر گام پر جو گھنگرو بجا دگے اے صنم — کیونکر ہر اک نہ قبر سے مردہ جیا کرے
اس بت کا دیکھنے کہیں پائے جمال تو — زاہد خدا کو چھوڑ دے مالا جپا کرے
اے شمع رو تو آ مری حالت زبون ہے — بتی کی طرح دل مرا آکبنگ جلا کرے
صورت ہے بدلی ابر کی گھنگور ہے گھٹا — ساقی تمام شب ترا ساغر چلا کرے
بے عشق وہ صنم نہیں ملنے کا زاہدا — سو بار سجدوں میں اگر جھکا کرے
تارے گریں میں یہ وہیں ٹوٹ ٹوٹ کر — ہنسنے میں منہ کو تو کہیں دنداں نما کرے
ہر طرح کا کمال ترے بانکپن میں ہے — چاہے تو ایک پل میں قیامت بپا کرے

ہندو جناب حضرت جادو کے فیض سے
یہ رنگ شاعری ترا یوں ہی جما کرے



(۷۵) **مست**۔ بابو نند کشور لال بی اے ال ال بی رئیس گیا۔ خلف منشی جواہر لال لیجسلیٹو کانسل کے ممبر بھی تھے فارسی اور انگریزی میں فارغ التحصیل تھے اردو شاعری میں حضرت اکبر علیہ الرحمت داناپوری سے تلمذ تھا اشعار اچھے کہتے تھے پچپن سال کی عمر میں ۱۹۰۵ء کے بعد انتقال کیا۔ خواجہ عشرت لکھنوی نے تذکرہ ہندو شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لٹرری کلب گیا کے ارکین میں تھے اور سیاسی اور ادبی تحریکوں سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ کلب کے مشاعرہ ۱۸۹۸ء کے گلدستہ (نمبر ۶۶۶۲ کتب خانہ مشرقی، پٹنہ) میں ان کی یہ غزل شایع ہوئی تھی۔

پھر جو صلہ دعا کو ہوا ہی دغا کرے — ظالم جفا سے باز نہ آئے خدا کرے
مضموں صد نگاہ تمنا ہے دل مرا — اس کو کہاں تنک کوئی صرف وفا کرے
صد گونہ حد حصر سے افزوں ہے شوق دل — کیا عمر خضر کو کوئی صرف دعا کرے
پھر دیدہ و جگر میں ہیں باہم یہ چشمکیں — تیر نگاہ یار کہاں دیکھیں کیا کرے
پھر تیغ ناز ڈھونڈتی ہے سینہ و جگر — تیر نگہ کو دھن ہے کہ پھر دل میں جا کرے
پھر جیب کو ہوس ہے کہ ہو یوں وہ تار تار — ممنوں بخیہ گر نہ طبیعت ہوا کرے
پھر گرم آہ شعلہ نشاں ہے دل حزیں — پھر گریہ چاہتا ہے کہ طوفاں بپا کرے
ان روزوں جوش پر ہے پھر اشک رواں کی سیل — پھر ہے جنوں کا حکم کہ محشر بپا کرے
پھر عشق چاہتا ہے ترے آستانہ پر — با منت و نیاز مجھے جبہ سا کرے
میرے غبار کو ہے خیال عروج پھر — تا زیر بار منت دوش صبا کرے
پھر امتحان جذبہ دل کو چلی ہے یاس — تا مہرباں ہو وہ بت کافر خدا کرے

پھر میرے سر پہ کھیل رہی ہو اجل مری ۔۔۔ شمشیر ناز تن سے مرا سر جدا کرے

کیا پھر ہے مئے کشی کا تہیا جناب مست

زاہد سے کہہ دو ابر کی اس دم دعا کرے

مست کا ایک " قطعہ تاریخ مراجعت از ملک انگلستان سید ہادی حسن بیرسٹرایٹ لا کہ بتاریخ دہم جنوری ۱۸۹۹ء در ایوننگ پارٹی بطور ایڈرس خوانده شد " بہت مقبول ہوا تھا اور اس کو خاں بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب رئیس گیا نے اپنی تصنیف خمسہ کاملہ میں شایع کیا تھا اس جگہ نقل کیا جاتا ہے ۔

ساقی گلفام دے جام شراب ارغواں ۔۔۔ ہے سرور افزائے دلہا حاصل بزم سخن

رقص میں طاؤس گلشن نغمہ زن مرغان باغ ۔۔۔ ابر رحمت شامیانہ ناچ گھر صحن چمن

قطرہ شبنم ہیں یوں اوراق گل پر جا بجا ۔۔۔ خاتم لعلیں میں ہو جیسے جڑے در عدن

لوٹتی پھرتی ہے بادہ صبح فرش سبزہ پر ۔۔۔ جامے سے باہر ہوئے جاتے ہیں نسرین و سمن

چرخ پر کتنا مسرت خیز ہے رنگ شفق ۔۔۔ پیر گردوں نے بھی بدلا آج اپنا پیرہن

کیوں نہو یہ روز ہے کیسا سعادت انتما ۔۔۔ لو لگا جس میں تھے مدت سے یاران وطن

سید ہادی حسن از فضل رب لم یزل ۔۔۔ کونسلی ہو کر ہوئے اب رونق افروز وطن

مولوی خیرات احمد ہو مبارک آپ کو ۔۔۔ یہ پسر با جاہ و حشمت اے محب بوالحسن

واہ خالق نے دیا کیا آپ کو نور نظر ۔۔۔ خوش کلام و خوش بیاں شیریں زباں شیریں سخن

زیرک و دانش پناہ و خوش سیر ہر دل عزیز ۔۔۔ نوجواں ہمت میں و در اندیشی میں پیر کہن

نیک اندیشہ محبت پیشہ پاکیزہ خیال ۔۔۔ نام بردار پدر نام آور ہر انجمن

باپ پیارا قوم کا بیٹا ہے پیارا ملک کا ۔۔۔ پاک دونوں کی طبیعت نیک دونوں کا چلن



یاد تھی سب کے دلوں میں آپ کی مسکن پذیر ۔۔۔ دور تھے ظاہر میں ہم سے آپ اے ہادی حسن

ہو زیادہ عمر و دولت جاہ و اقبال و حشم ۔۔۔ سب دعا دیں آپ کی بر لائے رب ذو المنن

آپ کی تقریر میں ہو برک و رشرون کا زور ۔۔۔ آپکی تحریر میں ہو لطف مثل ایڈلسن

بار سے کرکے ترقی آپ جائیں بنچ پر ۔۔۔ چیف جسٹس کی عبا ہو آپ کے زیب بدن

ہو مطیع حکم یہ گردون گرداں آپ کا ۔۔۔ آپ کے حامی علی ہوں آپ کے ہادی حسن

آپ کے آنے کا کیا اچھا مناسب سال ہے ۔۔۔ اب رفتہ باز اندر جوئے آمد در چمن

جام الفت آپ کا پی کر دعا کرتا ہے مست ۔۔۔ بزم میں ہر اک کہے آمین رب ذو المنن

اشعار متفرقات

فرقت میں اک تجھی سے بہلتا ہے جی مرا ۔۔۔ دل سے تو اے تصور جاناں جدا نہو

اٹھا بخار دل سے تو آنسو ٹپک پڑے ۔۔۔ سچ ہے کہ مینہ نہ برسے گا جبتک گھٹا نہو

(۷۶) جابر ۔ بابو خیجل کشور بی اے بی ۔ ال وکیل عدالت خلف منشی مادھو چرن قوم کایستھ ساکن محلہ رمنہ شہر گیا شاعری میں حشر بنیھوی سے اصلاح لیتے تھے ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے ۔

لڑا دینا آپس میں بنا ہے کار دنیا ۔۔۔ جو سر ہے کسی کا تو پتھر کسی کا

(۷۷) صید ۔ لالہ برہمدیو سہائے ساکن نجابت پور سب ڈویژن جہاناباد ضلع گیا ہیں ولادت ۱۸۷۱ء گیا میں عدالت کے مختار تھے ۔ شاعری کے علاوہ موسیقی ، مصوری اور باغبانی کا شوق تھا ۔ خواجہ عشرت لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے تھے ۔ رسالہ " تاج " گیا میں ان کا کلام شایع ہوا کرتا تھا اور انکی تصویر بھی شایع ہوئی تھی کچھ دن ستم گیاوی اور خلش گیاوی سے بھی مشورہ سخن کیا تھا ۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

لیلیٰ یہ دل ہے صدقہ محمل کو ڈھونڈتے ہیں ۔۔۔ گم گشتہ کارواں ہیں منزل کو ڈھونڈتے ہیں

ان کی نگاہ دلکش پہلو سے لے گئی ہے — کیوں حاضرین جلسہ اب دل کو ڈھونڈتے ہیں
دونوں طرف ہے یکساں یوں جذبہ محبت — قاتل ہمیں تو ہم بھی قاتل کو ڈھونڈتے ہیں
صنعت بزیر کب ہیں شیوہ کرم ہے جن کا — گھر سے سخی نکل کر سائل کو ڈھونڈتے ہیں
شوق شہادت ایسا دل میں سما گیا ہے — مقتل کو ڈھونڈتے ہیں قاتل کو ڈھونڈتے ہیں
کیا کوئی ظلم تازہ آیا ہے یاد ان کو — مقتل میں آکے اپنے بسمل کو ڈھونڈتے ہیں
نفرت مجاز سے ہے صادق ہے عشق ہم کو — خارج کو چھوڑتے ہیں داخل کو ڈھونڈتے ہیں
مد نظر ہے جلنا ہم شکل شمع ہم کو — جو اف کرے نہ منہ سے اس دل کو ڈھونڈتے ہیں
اے صید گم ہوا تو اچھا ہوا اگر ہم — جس نے لیا ہے وہ دل اس دل کو ڈھونڈتے ہیں
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اسی انتظار میں — آئیں گے حور بن کے فرشتے مزار میں
جلوہ افگن ہے وہی دونوں جگہ اے ناصح — مرتبہ کم نہیں کعبے سے ہے بت خانے کا
سزا کس کو ملی تھا جرم کس کا — لڑی ان سے نظر دل پر لگی چوٹ
مل جل کے رہیں جوہر و شمشیر کی صورت — سیماب ہے دل میرا آئینہ اگر آپ

(۷۸) **عارف**۔ شیو نرائن چودھری خلف بابو لالہ چودھری ساکن محلہ حاجی گنج عظیم آباد سنہ ولادت [illegible]ء اردو سے خاص شغف رکھتے تھے اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔ چند سال ہوئے انتقال کیا۔ شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے ان کا کلام بہت پاکیزہ ہوتا تھا نمونہ یہ ہے۔

ازل سے لائے جو مستی تھے اسکی خو نہ گئی — جو تھی خمیر کے اندر وہ رنگ و بو نہ گئی
بہ طنز کہتی ہے پھولوں سے کھل کھلا کے کلی — تمہارا رنگ نہ بدلا ہماری خو نہ گئی
تو خال و خط کے محاسن کو چھوڑ اصل کو دیکھ — مکیں کی زینت و رونق مکاں کو چھو نہ گئی



میں رو کے اشکوں سے خود اپنے ہو لیا طاہر — حریم دل میں تری یاد بے وضو نہ گئی
وہ نخل تازہ و تر تھا خیال اے عارف — کہ سوکھ جانے پہ بھی طاقت نمو نہ گئی

(۷۹) **عاشق**۔ بابو جگرناتھ پرشاد عرف بتو خلف منشی رادھاکشن قوم کھتری سرین ساکن محلہ چھوٹی پٹن دیبی۔ پٹنہ۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے تھے اردو کے علاوہ تھوڑی فارسی بھی جانتے تھے۔ خلیق اور منکسر مزاج تھے۔ ۲۲ سال کی عمر میں شاد عظیم آبادی کے شاگرد ہوئے سنہ ۱۸۹۴ء میں بعارضہ سل انتقال کیا۔ ایک دیوان موسوم بہ کارنامۂ عاشق سنہ ۱۸۹۵ء میں طبع ہوا تھا۔ ان کا کلام بہت پسندیدہ ہوتا تھا۔ نمونہ یہ ہے۔

رہا نہ ہوش ترے عشق میں بجا اپنا — بتوں کو سجدہ کیا جانکر خدا اپنا
کوئی کہتا ہے مسلماں کوئی آزاد مجھے — قدرداں خوب ملے ہیں یہ خداداد مجھے
ہے فرق صرف نام کا پر ذات ایک ہے — تم رام یا رحیم کہو بات ایک ہے

(۸۰) **آزاد**۔ بابو بھوانی پرشاد ساکن محلہ کالی استھان پٹنہ رائے اسری پرشاد عطا کے حقیقی بھتیجے تھے سنہ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ شاد عظیم آبادی سے اصلاح سخن لیتے تھے ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا سنہ ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے۔

نہ اس سرا کا کبھی بند کارخانہ ہوا — کوئی سحر تو کوئی شام کو روانہ ہوا
ترا جمال دکھانا ہمارا مر جانا — کچھ ایسی بات نہ تھی جس کا اک فسانہ ہوا
تعلقات نے پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں — گھر اپنا آپ کے حق میں قید خانہ ہوا
ہزار شکر نہ حسرت کا ہم نے منہ دیکھا — امید وصل سے پہلے ہی دم روانہ ہوا
ستا رہی ہے یہی روح گھٹ کے اے آزاد — وطن سے آئے ہوئے ہم کو اک زمانہ ہوا

ولہ

جو تیرے ظلم وستم کا وفور ہو جاتا — قصوروار ترا بے قصور ہو جاتا

نہ کرتی موج حوادث اگر دراندازی — تو بحرِ غم سے ہمارا عبور ہو جاتا

ناراض مجھ سے کیوں بت مغرور ہو گیا — تجھ سے گناہ کیا دلِ رنجور ہو گیا

آزاد شکر ہے کہ بھلے دن اب آگئے — بدقسمتی کا داغ جو تھا دور ہو گیا

(۸۱) **شاد** - بابو بدری ناتھ خلف منشی ہربنس رائے ساکن چنڈی پور ضلع گیا۔ حضرت بسمل گیاوی کے شاگرد تھے پھر حشر بہیقوی اور خلش گیاوی کو اپنا کلام دکھایا۔ ان کا ایک شعر سنا گیا تھا وہ یہ ہے۔

جوشِ وحشت میں مرا چاک گریبان دیکھکر — نوک پی لیتا ہے ہر خارِ مغیلاں دیکھکر

---

# متاخرین ہندو شعرا

(۸۲) **عطا** - رائے ایسری پرشاد رئیس عظیم آباد محلہ کالی استھان۔ خلف رائے لچھمی پرشاد۔ اردو زبان اور شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے۔ الوالعزم اور علم دوست تھے۔ ایک رسالہ علم عروض میں ان کی تصنیف سے یادگار ہے آخر عمر میں درویشانہ وضع اختیار کی تھی۔ ۱۳ جنوری سنہ ۱۹۲۵ء کو تقریباً ستر سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ذکر میری دنا کا سن کے کہا — کیسی بے مثل یہ کہانی ہے

سنہ ۱۹۲۲ء کے مشاعرہ واقع محلہ لودی کٹرہ بمکان شاہ اقبال صاحب مرحوم انھوں نے مندرجہ ذیل غزلیں پڑھی تھیں جو رسالہ تاج ماہ دسمبر میں بھی شایع ہوئی تھیں۔

آنکھ کے پردے کے باعث ہی یہ غفلت میری — دیکھنے دیتی نہیں مجکو حقیقت میری

آنکھ کے پردوں نے مخلوق بنا رکھا ہے — دیکھنے دیتی نہیں مجکو یہ صورت میری

جز نسیم اور دکھائی نہ مجھے دیتا ہے — پیر مَیکش سے ہوئی جب سے کہ بیعت میری

چین سے سویا پڑا ہوں نہ اٹھاؤ مجکو — دیکھو دیکھو کہیں ٹھکراؤ نہ تربت میری

آبِ کوثر سے ذرا آنکھ تو دھولے زاہد — تب نظر آئے گی جو کچھ کہ ہے حرمت میری

زر کی خواہش نہیں الفت نہ خلایق کی ہے — رند ہوں صبر و قناعت ہی ہے دولت میری

میں کسی شئے کو بھی اپنے سے علحدہ سمجھوں — یہ روا رکھتی ہی ہرگز نہیں نیت میری
کوئی گر نیچی نگاہوں سے جو دیکھے دیکھے — یار کی آنکھوں میں لاریب ہے وقعت میری
کس میرسی کے زمانہ میں خدا یاد آیا — آخرش کام مرے آئی یہ غربت میری
سجدہ کرنے ہی نے گمراہ کیا تھا مجکو — آگئی اب تو سمجھ میں مری غفلت میری
میں عطا رند ہوں اور طرز سخن ہی یکتا — مل نہیں سکتی کسی سے کبھی رنگت میری

---

لگا کے سرمہ کہ جادو جگا کے بیٹھے ہیں — عجیب رنگ دلوں پر جما کے بیٹھے ہیں
سنے گا کون کہانی مری یہاں صاحب — غضب ہی عرش پر اب آپ جا کے بیٹھے ہیں
انہوں نے سیکھا ہی آنکھوں کی اوٹ ہو رہنا — تو ہم بھی آنکھوں کے پردے اٹھا کے بیٹھے ہیں
نہ سمجھے نا کوئی میری وفا نے کھینچا ہے — چراغ قبر کا میری بجھا کے بیٹھے ہیں
انہوں نے مجکو کہیں کا بھی اب نہیں رکھا — کہ مجھسے حشر میں دامن چھڑا کے بیٹھے ہیں
کوئی زمانہ تھا صحرا نوردی کرتے تھے — مزے وصال کے اب کچھ چکھا کے بیٹھے ہیں
کہیں نہ آپ کے دیدار سے تڑپ جائے — اسی سے پہلو میں دل کو دبا کے بیٹھے ہیں
یہ خوب حیلہ ملا ہے انہیں نہ آنے کا — جو آج پاؤں میں مہندی لگا کے بیٹھے ہیں
نہ اب خدا ہی سے مطلب نہ کچھ بتوں سے ہے — کہ خاک اپنے صنم پر رما کے بیٹھے ہیں
نہ پائے کوئی کسی ڈھب سے تا نشاں ان کا — جو نقش پا بھی کہیں تھا مٹا کے بیٹھے ہیں
کیا جو کرنا تھا ہونا جو تھا ہوا سب کچھ — اب انتظار میں ہم تو قضا کے بیٹھے ہیں
صبا تو لائیگی نکہت کہیں سے اس گل کی — عطا اسی سے تو رخ پر ہوا کے بیٹھے ہیں

ان کا ذخیم دیوان ان کے لڑکوں رائے میلکوم جیمس سنہا اور رائے اڈون ہورلیس سنہا) کے پاس موجود تھا غالبًا اب تک محفوظ ہی۔

(٨٣) مائل ۔ بابو بھولا ناتھ منصف مدہ پورہ ضلع بھاگلپور اردو شاعری



کے دلدادہ تھے۔ ہجوم کار سرکاری کے باوجود مشق سخن بھی جاری رکھتے تھے اور اکثر مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے ان کی غزلیں بعض گلدستوں میں بھی شایع ہوا کرتی تھیں سنہ ١٩٢٠ء میں انتقال کیا ان کا کچھ کلام رسالہ تاج گیا سنہ ١٩٢٠ء میں شایع ہوا تھا وہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہی۔

دل کو تباہ کیجئے پر دیکھ بھال کے — یہ ٹوٹا پھوٹا گھر حرم کردگار ہے

فغاں کے ساتھ لب تک دم بدم آنے سے کیا حاصل
دل مضطر کو سمجھا دو کہ گھبرآنے سے کیا حاصل

جو پیشانی کا لکھا ہے وہ پیش آنا ضروری ہے
تو پھر تقدیر کی باتوں پہ غم کھانے سے کیا حاصل

نصیحت ہم سے دیوانے کہیں سنکر سنبھلتے ہیں
کوئی ناصح کو سمجھا دے کہ سمجھانے سے کیا حاصل

جو مرنا ہے تو ہم بھی مرمٹیں گے کوئے جاناں میں
کسی جنگل میں جا کے سر کو ٹکرانے سے کیا حاصل

ہماری جاں نثاری بھی کسی دن آزما دیکھو
یہ قصے لیلی و مجنوں کے پڑھوانے سے کیا حاصل

نگاہ مست ساقی سے ہے بزم مئے کی کیفیت
ہمیں پھر ساغر و مینا و میخانے سے کیا حاصل

تاج ماہ مارچ سنہ ١٩٢٠ء

غم سے مرا کب حال پریشاں نہیں دیکھا — کب اس دل صد چاک کو گریاں نہیں دیکھا
شکوہ مرے رونے کا عبث کرتے ہو یارو — کب زخم جگر کو مرے خنداں نہیں دیکھا

اترا کے نہ چل کبک دری باغ میں اتنا — تو نے ابھی اس گل کو خراماں نہیں دیکھا

دیکھا تو حرم میں بھی پرستش ہے اسی کی — اس بت سا کوئی دشمن ایماں نہیں دیکھا

اے شمع شب افروز ترے حسن کا جلوہ — کس رنگ میں کس روپ میں پنہاں نہیں دیکھا

کھو بیٹھا ہے دل جو کہ تھا گنجینۂ اسرار — مایلؔ سا بھی ہشیار نگہباں نہیں دیکھا

اپریل سنہ ۱۹۲۰ء مشاعرہ مدہ پورہ ضلع بھاگلپور

داغ تپ فراق سے دل لالہ زار ہے — جو آہ منہ سے نکلی وہی شعلہ بار ہے

کیا پوچھتے ہو حسرتیں میری کہاں گئیں — سب مر مٹی ہیں دل ہی میں سب کا مزار ہے

دست جنوں سے چاک گریباں ہوا تو کیا — تار نفس بھی اب تو مرا تار تار ہے

باتیں نری سمجھتے ہیں ناصح یہ کیا کریں — قابو میں اپنے کب دل بے اختیار ہے

کس بات پر ہے پیکر خاکی تجھے گھمنڈ — دو دن کی زندگی بھی تو ناپائدار ہے

پھر گل نیا کھلائیگا موسم بہار کا — پہلو میں بے سبب نہیں دل بے قرار ہے

تلوؤں کو کیوں نہ خار مغیلاں کی ہو ہوس — سودائی وہ جنوں کے سر پر سوار ہے

دل کو تباہ کیجئے پر دیکھ بھال کے — یہ ٹوٹا پھوٹا گھر حرم کردگار ہے

مایلؔ ترے کلام کا شایق ہے ہر کوئی — کچھ اور گل کھلا یہ زمیں پر بہار ہے

غزل مطبوعہ تاج جون سنہ ۱۹۲۰ء

یا شرح سوز دل ہے یا درد کا بیاں ہے — جو شعر ہے ہمارا اک غم کی داستاں ہے

پھنکتا ہوں سوز غم سے سینہ میں دل تپاں ہے — پھر عشق زخم دل پر میرے نمک فشاں ہے

ہے سانس یعنی مشکل دل اس قدر تپاں ہے — اس نیم قطرہ خوں میں کیا زور الاماں ہے

بے شبہ سب کے دل میں تیری جگہ ہے کافر — تو کیا پھر اک ہم سے برگشتہ اک جہاں ہے

سوز دروں سے دل میں اک آگ سی لگی ہے — آہوں کے بدلے لب پر ہر وقت اک دھواں ہے



لو کہہ چکے بہت کچھ بس اب زباں سنبھالو — منہ میں مرے بھی آخر اے جانجاں زباں ہے

وعدوں پہ تیرے اے بت امید مغفرت ہے — پیماں شکن نہ ہونا اللہ درمیاں ہے

مایلؔ نے سنہ ۱۹۲۲ء میں مدہ پورہ ضلع بھاگلپور میں چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ ان کے کلام کا کافی ذخیرہ موجود تھا معلوم نہیں اب تک محفوظ ہے یا نہیں۔

(۸۴) صہباؔ۔ رائے کنور بہائی رئیس گیا شاگرد حضرت اکبر داناپوری نمونہ کلام یہ ہے۔

سجدے ہم کرتے ہیں وہ پاؤں جہاں رکھتے ہیں — جب تو دعوائے خدائی یہ بتاں رکھتے ہیں

(۸۵) فریادؔ۔ منشی بدری نرائن ولد منشی درگا پرشاد قوم کایستھ ساکن ندرہ ضلع گیا۔ کلکٹری میں نقل نویس تھے اور موضع ندرہ کی انجمن چشمۂ سخن کے سکریٹری تھے۔ مشاق شاعر تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

ناز سے دیکھا تو آخر اک نظر میری طرف — دل جو تم نے لیا اس کا گلا جاتا رہا

(۸۶) گلشنؔ۔ بابو گوبند پرشاد خلف بابو گنگا پرشاد ساکن موضع ندرہ ضلع گیا، تلمیذ حافظ عبد الاحد ساکن شیر گھاٹی۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا ان کا ایک شعر یہ ہے۔

اپنی تو سجدہ گہ ہے در مئے فروش پر — دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے

(۸۷) امیرؔ۔ بابو گوبردھن پرشاد۔ اضلاع بہار کے کسی دیہات کے رہنے والے تھے محکمہ پولس میں انسپکٹر تھے سنہ ۱۹۰۳ء میں انھوں نے سیول ضلع بھاگلپور سے اپنی غزلیں گلدستہ بہار بے خزاں کے لئے بریلی بھیجی تھیں جو مختلف گلدستوں میں شایع ہوئی تھیں وہ اس جگہ درج کی جاتی ہیں۔

بہارِ بے خزاں بابت ماہ اپریل ۱۹۰۳ء

مجھ سے ہر آدمی کو نفرت ہے  یہ ترے عشق کی بدولت ہے
غیر بھی کرتے ہیں گلا تیرا  کچھ مجھی کو نہیں شکایت ہے
مردے اٹھنے لگے مزاروں سے  ان کا آنا بھی اک قیامت ہے
واعظو جاؤ اپنا کام کرو  کوئے جاناں ہماری جنت ہے
کیا تردد ہو اپنے مدفن کا  کوچہ یار تو سلامت ہے
بوسہ مانگا تو منہ بنا کے کہا  ایسی باتوں سے مجکو نفرت ہے
توبہ مئے سے بہار میں واعظ  یہ بھی اک آپ کی حماقت ہے
اپنے دل کا مجھے گلا ہے امیر  کچھ نہیں غیر کی شکایت ہے

بہارِ بے خزاں مئی ۱۹۰۳ء

جاں نثاں ابروئے قاتل کی ادا ہوتی ہے  اسی تلوار کے قبضہ میں قضا ہوتی ہے
ہم کو دنیا میں نہ آرام ملا سنتے تھے  جائے آرام مسافر کو سرا ہوتی ہے
الفت غیر کا الزام میں دیتا ہوں انہیں  بس اسی بات پہ جھگڑے کی بنا ہوتی ہے
دیکھا عاشق کا جنازہ تو ستمگر نے کہا  وہی ہوتا ہے جو مرضیٔ خدا ہوتی ہے
اس کو شمشیر بکف دیکھ کے مقتل میں امیر  روح دہشت سے قیبوں کی فنا ہوتی ہے

بہارِ بے خزاں اگست ۱۹۰۳ء

عشق مجکو جانب چاہ زنخداں لے چلا  خضر اسکندر کو سوئے آب حیواں لے چلا
جو چلا محفل سے تیری سینہ سوزاں لے چلا  دل تپاں خاطر پریشاں چشم گریاں لے چلا
دل بغل سے جلوہ رخسار جاناں لے چلا  ذرۂ ناچیز کو مہر درخشاں لے چلا
حسن کے مکتب میں سنتا ہوں کہ ہو گا درس عشق  میں سبق کو پانچواں باب گلستاں لے چلا



رونا آتا ہے ترے عاشق کی قسمت پر مجھے  جوش حسرت لیکر آیا داغ ہجراں لے چلا
منزل ملک عدم کی راہ تھی تاریک میں  شمع عشق عارض پر نور جاناں لے چلا
مستی وحشت میں دوڑا پیچھے پیچھے قیس بھی  ساربان جب ناقہ لیلی حدی خواں لے چلا
پیچھے پیچھے ہو لئے قاصد کو سمجھاتے امیر  نامہ پر شوق جب وہ کوئے جاناں لے چلا

ستمبر ۱۹۰۳ء

شوق دل ان کو سنایا جب تو جھنجھلا کر کہا  ہم کہے دیتے ہیں ایسی دل لگی اچھی نہیں
اے خدا کبتک ملے گی راحت روز وصال  یہ شب فرقت مصیبت کی گھڑی اچھی نہیں
آنکھ کھولو کچھ کہو اپنی، ہماری کچھ سنو  حضرت دل یہ تمہاری بیخودی اچھی نہیں
پھر نہ عالم میں نمایاں ہو کہیں طوفان نوح  دیدۂ گریاں یہ ساون کی جھڑی اچھی نہیں
وقت گریہ کہہ گدا کے کوئی کیوں مجکو امیر  رونے والوں سے کسی کی یہ ہنسی اچھی نہیں

تذکرہ ہندو شعرا مولفہ خواجہ عشرت لکھنوی (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) میں ان کا ذکر اور ایک شعر پایا گیا وہ یہ ہے۔

جذبہ دل کی ہیں تاثیر دکھاتا تم کو  مرے قابو میں مری جان اگر دل ہوتا

(۸۸) جودت۔ منشی جدوبیر سہائے خلف منشی بنواری لال صوفی ساکن ماں پور متصل گیا شاگرد حشر بیتھوی و کوثر خیر آبادی ۱۹۰۶ء میں سرکاری وکیل عدالت گیا کے محرر تھے ۱۹۱۲ء میں تخمیناً پچپن برس کی عمر میں انتقال کیا ان کی غزلیں گلدستہ چمنستان سخن اکتوبر ۱۹۰۱ء (زیر ادارت احمد حسین جوش عظیم آبادی ٹالی گنج کلکتہ) و گلدستہ نسیم سحر زیر ادارت شفق عمادپوری مطبوعہ گیا میں نظر سے گذری تھیں نسیم سحر میں ان کو شاگرد حشر مرحوم (شفق عمادپوری) لکھا ہے۔ جون ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نسیم سحر کی اشاعت کا قطعہ تاریخی بھی لکھا تھا۔ غزل مطبوعہ چمنستان سخن بابت اکتوبر ۱۹۰۱ء

قبا ہو نہ پیراہنِ تن کسی کا — کھلے بند پھرتا ہے دشمن کسی کا
مرے دل نے مجھکو خرابی میں ڈالا — الٰہی نہ ہو دوست دشمن کسی کا
نہ کہتے تھے وہ بے مروت ہے اے دل — ہوا ہے نہ ہوگا وہ پرفن کسی کا
مصیبت مری سن کے اتنا وہ بولے — نہ ہو مبتلا غم میں دشمن کسی کا
کفن قطع ہونے لگا جب ہمارا — ہوا غم سے کیوں چاک دامن کسی کا
یہ پازیب کا گھونگرو بولتا ہے — کہ ہے زمزمہ ساز ارگن کسی کا
جب آتے ہیں گورِ غریباں کی جانب — تو وہ پوچھ لیتے ہیں مدفن کسی کا
اسے ضبط کہتے ہیں اف کی نہ منہ سے — وہ سنتا رہا روز شیون کسی کا
ہجوم قیامت میں کیا حال ہوگا — نہ ہوگا جو ہاتھوں میں دامن کسی کا
پس قتل بولے وہ یہ گورکن سے — نہ ہو میرے کوچہ میں مدفن کسی کا
جو وہ غیرت گل یہاں آیا جودت — مکاں بن گیا رشک گلشن کسی کا

غزل مطبوعہ نسیم سحر جون سنہ ۱۹۰۱ء

مقابل نہ ہوگا مری چشم تر سے — اگر سو برس ابر دن رات برسے
نہیں ہوتی پوری ہوس مال و زر سے — بجھی ہے کہیں پیاس آب گہر سے
کوئی صبح تک خواب راحت میں غافل — کوئی اٹھ کے روتا ہے پچھلی پہر سے
بڑھے ایک سے ایک ہیں دونوں عارض — ملا لے انہیں کوئی شمس و قمر سے
میں قربان تیری نزاکت کے قاتل — سنبھلتی نہیں تیغ نازک کمر سے
کوئی ڈر گیا ہاتھ کانوں پہ رکھکر — کراہا جہاں کوئی درد جگر سے
ہوئی آبرو مل گیا آب و دانہ — گہر کو صدف سے صدف کو گہر سے
ملا خلعت نو عروس چمن کو — کھلے پھول کیا کیا نسیم سحر سے



شب ہجر بگڑی ہے تقدیر جودت — جگر دل سے آزردہ ہے دل جگر سے

قطعہ تاریخ اجرائے گلدستہ نسیم سحر

خدا کے فضل سے اب ہو گیا ہے مشتہر چھپکر — کہاں ہیں آ کے ہاتھوں ہاتھ لیں اہل ادب گلدستہ
لڑی ہے موتیوں کی یا مضامین مسلسل ہیں — چمک کر خوب نکلا ہے بہ آب و تاب گلدستہ
گل افشاں ہر ورق ہے جلوۂ اشعار رنگیں سے — دکھاتا ہے بہار گلشن شاداب گلدستہ
سحر دشمن قلم کر کے لکھی تاریخ یوں جودت — ہوا شائع عجائب نادر و نایاب گلدستہ

غزل مطبوعہ نسیم سحر ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء

گیا ہے نالۂ دل آسماں تک — اب آگے دیکھئے پہونچے کہاں تک
وفور ضبط سے راز محبت — نہ آیا گوشۂ دل سے زباں تک
کچھ ایسی بے نشاں راہ عدم ہے — نہیں ملتا نشان رفتگاں تک
رہی ثابت قدم سر دے کے آخر — کٹا دی شمع نے اپنی زباں تک
پھنکا ہوں آتش فرقت سے ایسا — ہوئی ہیں راکھ جل کر ہڈیاں تک
جلایا اس طرح سوز نہاں نے — نہیں نکلا مرے منہ سے دھواں تک
ملا اس کا پتا دل ہی میں جودت — جسے ڈھونڈا زمیں سے آسماں تک

غزل مطبوعہ نسیم سحر مئی سنہ ۱۹۰۲ء

ہم دل کسی کو دینے کے قابل کہاں رہے — وہ درد بن کے دل میں ہمارے نہاں رہے
دن رات ان کے ساتھ رہے سایہ ساں مگر — ظاہر کبھی رہے تو کبھی ہم نہاں رہے
بھڑکی ہوئی ہے آتش گل صحن باغ میں — بلبل کو فکر ہے کہ کہاں آشیاں رہے
فریاد حشر میں نہ کروں گا مگر کہیں — شاید مجھے نہ طاقت ضبط فغاں رہے
پہلو کو چاک کر گئی تیغ نگاہ ناز — جودت بتاؤ اب دل مضطر کہاں رہے

## متفرقات

دید رخ سے ہو گیا درماں دلِ بیتاب کا    اضطراب آئینہ سے ملکر مٹا سیماب کا

آنکھ بھر آتی ہے جو دت یاد میں ہمت کی    دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شرابِ ناب کا

بحرِ ہستی میں نہ کر ایامِ پیری کا ملال    لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قریبِ ساحل دیکھ کر

نشانِ نقشِ پائے رفتگاں پایا نہ عالم میں    اڑا لائی منزلوں کی خاک گردِ کارواں ہو کر

طور پر برق جو چمکی ہوئے موسیٰ بے ہوش    جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز نہ تھا

کج ادائی نے تمہاری یہ اثر دکھلایا    پڑ گئے زلفِ سیہ فام میں خم آپ سے آپ

خمخانہ جاوید میں بھی ان کا مختصر ذکر ہے۔

(۸۹) **ہندو**۔ بابو پریاگ رام ساکن گیا۔ شاگرد مائل بھگوی سنہ ۱۹۰۱ء میں مشق سخن کرتے تھے گلدستہ نسیم سحر میں ان کا کلام شایع ہوا تھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تصور میں آنکھیں تمہیں دیکھ لیں گی    کہاں تک چھپو گے کسی کی نظر سے

(۹۰) **اسیر**۔ اکھوری نند کشور ابن اکھوری بہاری لال زمیندار موضع بھراری ضلع گیا۔ قوم کالیستھ۔ عدالت میں مختار تھے سنہ ۱۹۱۶ء میں زندہ تھے خلش گیاوی سے اصلاح سخن لیتے تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

ہر وقت ستاتے ہو جو اربابِ وفا کو    کیا حشر میں تم منہ نہ دکھاؤ گے خدا کو

کوچہ سے ترے اٹھ کے کہیں جا نہیں سکتا    آرام ملا وہ مرے نقشِ کفِ پا کو

(۹۱) **صابر**۔ اکھوری سیتل پرشاد خلف اکھوری لچھمن سہائے کالیستھ ساکن میگرہ ضلع گیا۔ سن شعور سے شاعری کا شوق تھا سنہ ۱۹۲۵ء میں ایک دیوان بھی مرتب کر رہے تھے اُس وقت ان کی عمر تخمیناً ساٹھ سال

کے قریب تھی نمونہ کلام یہ ہے۔

بڑھنے لگا تعظیم کو ہر خارِ مغیلاں    دیکھا جو کہیں دشت میں مجھ آبلہ پا کو

گردشِ چرخ سے گھبراتا ہے کیوں دل مرا    شاید اس پردہ میں پنہاں کوئی حکمت ہوگی

غزل مطبوعہ رسالہ تاج گیا۔ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء

حبِ قومی کی ضیا جس میں نہ ہو وہ دل نہیں    آئینہ ہے زنگ آلودہ کسی قابل نہیں

پہنو کھدر آگ میں ڈالو بدیسی مال کو    جس نے زک دی ساتھ میں ہنسنے کے وہ قابل نہیں

راز آزادی ہے پوشیدہ سودیشی مال میں    جبر کچھ تھوڑا سا دلیر ہو تو کچھ مشکل نہیں

ہیں عمل کا وقت ہے سب کام شدہ ہو جائیں گے    بات کی فرصت نہیں ہے، وقت بھی فاضل نہیں

شاہراہِ کامیابی ہے ہمارا اتفاق    کچھ نہ ہوگا ہندو اور مسلم اگر اک دل نہیں

بے خبر انساں سے ہو عشق کا دعویٰ یہ ہے    قوتِ روحانیہ تم کو ابھی حاصل نہیں

کس طرح صابر کرے پیری میں خدمت ملک کی    وہ توانائی نہیں وہ دن نہیں وہ دل نہیں

---

کام پورا ہو خاکِ بسمل کا    ہاتھ اوچھا پڑا ہے قاتل کا

جمع ہیں شاعرانِ خوش گفتار    جم گیا رنگ آج محفل کا

چاند دلہن تو شمس ہے نوشاہ    جوڑا اچھا ملا مقابل کا

بزم شادی میں بزم شعر و سخن    کام ہے شاعرانِ کامل کا

کیوں نہ صابر مجھے مسرت ہو    آج نکلا ہے حوصلہ دل کا

(۹۲) **صنم**۔ بابو امبیکا سہائے خلف منشی جگرناتھ سہائے قوم کالیستھ ساکن ہرنام ڈیہہ ضلع گیا سنہ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ خلش گیاوی کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بے فائدہ کیوں ہاتھ اٹھاتا ہے دعا کو    معلوم ہے دل کا ترے احوال خدا کو

لکھو آج صنم تو وہ پھڑکتے ہوئے اشعار     تڑپائے غزل اپنی سنا کر شعرا کو

(۹۳) دہانی ۔ بابو ہری ہر پرشاد چنچل عرف لال بابو اگروال خلف بابو ہر کشن داس اگروال ساکن لہیری ٹولہ شہر گیا۔ بڑے ظریف الطبع تھے اکثر مزاحیہ اشعار بھی کہتے تھے۔ گیا میں اگروال پریس انہیں نے جاری کیا تھا۔ عرش گیاوی سے بھی بہت ربط تھا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں اپنے پریس سے اخبار بہار پنچ جاری کیا تھا جس کی ادارت عرش گیاوی کے سپرد تھی پھر سنہ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ ایک دوسرا اخبار "رنگیلا" ہندی رسم الخط میں نکالا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۳۴ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بستانِ دہر میں یہ گلستاں ہے کس لئے     نغمہ سرا یہ مرغِ خوش الحان ہے کس لئے
جب زندگی ہی اپنی دہانی ہے بے ثبات     عیش و نشاط کا سر و ساماں ہے کس لئے
دنیا کا انقلاب دکھانے کے واسطے     محتاج مجھکو کر دیا دانے کے واسطے
راحت جو بعد رنج دہانی ہوئی نصیب     اچھا سبق ملا یہ زمانے کے واسطے
وصل کی شب رنگ اس گلبدن کا یوں فق ہو گیا     جیسے کملائے کوئی کچی کلی گلنار کی
شگون ہیں فیس میں نذرانہ میں اور محنتانہ میں     موکل کی حجامت ہوتی ہے مختار خانہ میں

(۹۴) قیس ۔ بابو رام پرشاد بی اے بی ال وکیل گیا۔ خلف منشی منجیون لال دیوان (سات آنے) راج ٹکاری تلمیذ حضرت اکبر داناپوری اردو کے مشتاق شاعر تھے ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا اور سنہ ۱۸۹۵ء میں گیا میں ایک ادبی انجمن موسوم بہ لیٹری کلب قایم کی تھی جس میں ہر مہینہ مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا اور مشاعرہ کی غزلوں کا گلدستہ بھی شایع ہوتا تھا۔



اس انجمن کا ایک گلدستہ راقم کی نظر سے بھی گزرا تھا اسی سے ایک غزل اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔ یہ گلدستہ ۶۶۶۲ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی موجود ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ان کے کلام کا مختصر مجموعہ موسوم بہ یادگار قیس حسین بخش شرر گیاوی نے شایع کیا تھا اور شفق عمادپوری نے اس کا دیباچہ لکھا تھا لیکن کم سوادی اور بے اعتنائی کے سبب یہ مجموعہ بہت ضروری مواد سے خالی رہ گیا۔

میرا کلب ہمیشہ ہی پھولا پھلا کرے     ہو کوئی فصل یہ تر و تازہ رہا کرے
انسان کس زبان سے تیری ثنا کرے     اک مشتِ خاک حمد خدا کیا ادا کرے
کب کہتے ہیں یہ ہم کوئی ہم سے وفا کرے     ہم سب میں خوش ہیں کوئی وفا یا جفا کرے
مجھ سے مریضِ غم کی کوئی کیا دوا کرے     ہاں وہ دوا کرے جو کوئی معجزہ کرے
لیلا وشوں کے غم میں نہ کیونکر گھلا کرے     آٹھ آٹھ آنسو قیس نہ روئے تو کیا کرے
نیرنگیوں میں یہ ترا شاگرد ہے اگر     ہر روز چرخ ایک کرشمہ نیا کرے
تم یہ نہ سمجھو نہ ہو دل تمہارا صاف     تم یوں بھی خوش نہ ہو تو کوئی مر کے کیا کرے
یوں تو جہاں میں ہیں بہت غیرتِ مسیح     میرا مسیح وہ ہے جو میری دوا کرے
یہ ہے مرض علاج یہاں معرکہ کا ہے     جس کو مسیح بننا ہو میری دوا کرے
ہو جس کے پاس مال زکوٰۃ اس پہ فرض ہے     جو مالدارِ حسن ہو بوسے دیا کرے
ہم تو دم ان کا بھرتے ہیں یہ غیروں پر نثار     ان بیوفاؤں پر کوئی دل کیوں فدا کرے
تسبیح ہاتھ میں یہ دعا ہے زبان پر     آ جائے میرے گھر میں وہ کافر خدا کرے
دو دن کی زندگی میں عداوت کسی سے کیا     یہ دن ہنسی خوشی میں بسر ہوں خدا کرے
نام او قیس قلم کا خامہ جادو نگار ہے     مضموں جو تیری چشم سیہ کا لکھا کرے

میں نے کہا جو ان سے کہ مرتا ہوں آپ پر — بولے یہ مسکرا کے مرو تم خدا کرے
اب قیس کو بنا دیا کچھ اور عشق نے — لیلیٰ میں اس کے نام کی سمرن جپا کرے

قیس کے تین اشعار راقم کے پاس ایک بیاض میں لکھے ہوئے موجود تھے وہ یہ ہیں۔

چلے باغ دنیا سے کیا لے کے ہم — نہ کچھ رنگ لائے نہ پھولے پھلے
عجب شان سے دیکھا ہے اس کو پہلو میں — ہمارے خواب کی تعبیر دیکھئے کیا ہو
شوق سے آئے تھے تربت کو مٹانے کیلئے — چپ کھڑے ہیں آپ کیوں گور غریباں دیکھکر

قیس نے سنہ ۱۹۰۸ء میں کوئی پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسالہ تاج گیا ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تصویر بھی شایع ہوئی تھی۔

محلہ مراد پور گیا میں مولوی سید غنی حیدر صاحب مرحوم کا تعمیر کردہ عالی شان مکان ہے اس کے دروازہ کے اوپر قیس کا کہا ہوا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ اب یہ مکان غالباً شاہ قاسم غنی صاحب کی ملک ہے۔

خادم وارث علی سید غنی حیدر بساخت — ایں مکان تو کہ در وصفش زباں آمد ستوہ
سال تعمیرش چو جوئی قیس ایں مصرعہ بگو — بزم کہہ دولت کدہ دار السرور انجم شکوہ

۱۹۰۲

(۹۵) گوہر۔ بابو بھوانی پرشاد ساکن ٹکنہ ضلع گیا۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کھولدے میخانہ کر باب کرم آراستہ — لطف ہو ساقی مے گلفام کا برسات میں

(۹۶) ہمراز۔ بابو بھگوتی پرشاد سنگہ قوم راجپوت ساکن شہر چھپرا



سارن۔ سنہ ولادت تقریباً سنہ ۱۸۹۵ء زمینداری کی بدولت خوش حالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بچپنے میں ان کا اسٹیٹ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں تھا۔ اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی اور سنسکرت سے بھی بخوبی واقف تھے اور ان زبانوں میں تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا ان کی آخری تصنیف رس النکار یعنی علم عروض سنسکرت انگریزی زبان میں لکھی گئی تھی۔ فن مصوری اور موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اردو شاعری میں مولوی محبوب احمد صاحب غنغا سے تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

سمجھنا ہم پریشاں تھے تمہارا خط نہیں پاکر — ہمارے خط کے مضموں میں اگر کوئی خطا نکلے
تری صورت کچھ ایسی دل نشیں معلوم ہوتی ہے — جہاں ہوں دیکھتا مجکو وہیں معلوم ہوتی ہے
یہ مانا پیار کرنے میں مرے دل کی خطا ٹھہری — مگر صورت تمہاری کیوں حسیں معلوم ہوتی ہے
تجب عالم نظر آتا ہے جام عکس افگن کا — کہ نیچے آسماں اوپر زمیں معلوم ہوتی ہے
لگاتے ہو پتا ہمراز کیوں ان کی محبت کا — بتوں کی کارسازی بھی کہیں معلوم ہوتی ہے
محبت کی یہ انتہا ہو رہی ہے — کہ ان کی جفا پر وفا ہو رہی ہے
ستم پر ستم اور جفا کرو تم — مرے درد دل کی دوا ہو رہی ہے
مرے گلبدن کی ہے کیا آمد آمد — معطر جو باد صبا ہو رہی ہے
مجھے چھوڑ کر اب کہاں جا رہے ہیں — مری روح تن سے جدا ہو رہی ہے
ترے بال جب سے کمر تک ہیں آئے — مری جاں اسیر بلا ہو رہی ہے
خدا کی قسم میں تمہارا ہوں شیدا — مری جاں تم پر فدا ہو رہی ہے
کسی سے کسی کا نہ دلبر جدا ہو — یہی حق سے میری دعا ہو رہی ہے

کسی کی محبت میں ہمراز اب تو　　طبیعت بہت مبتلا ہو رہی ہے

(٩٧) **جوشؔ**۔ بابو مہیشور پرشاد رئیس مظفر پور تلمیذ حفیظ جونپوری ایک مختصر دیوان ٩٠ صفحوں کا موسوم بہ بہار جوش مرتب ہو کر شایع ہوا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یہی حال تو آئے گا دشمنوں کو ترس　　عجب نہیں کہ سفارش کرے عدو میری

(٩٨) **ناداںؔ**۔ منشی پریاگ دت ابن ٹھاکری گردھاری لال ساکن موضع دھیوڑی علاقہ شیر گھاٹی ضلع گیا۔ ڈالٹین گنج میں عدالت فوجداری کے مختار تھے۔ شاعری میں مہرؔ کابری سے تلمذ تھا۔ سنہ ١٩٣٠ء میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اب تو روتا ہوں ہجر میں ناداں　　دل لگایا تھا دل لگی کے لئے

(٩٩) **نطقؔ**۔ بابو سجیت نراین سنہا ساکن لودی پور ضلع گیا۔ رسالہ تاج ماہ فروری سنہ ١٩٢٠ء میں فرد لودی پور کل اور درد لودی پوری کے ساتھ اُن کی تصویر شایع ہوئی تھی۔ اس میں نطق دھوتی، کوٹ اور سیاہ رنگ کی گول ٹوپی پہنے ہوئے نظر آتے تھے۔ عمر کوئی چالیس برس کی ہوگی۔ مشاق شاعر تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

پھولوں کی بو سے یاد ترے رخ کی آگئی　　مرکر بھی مجکو چین نہ آیا مزار میں

(١٠٠) **صنوبرؔ**۔ منشی بجرنگ سہائے خلف منشی گوپی ناتھ سہائے بلبلؔ ساکن محلہ پان دریبہ متصل گذری پٹنہ۔ سنہ ولادت تخمیناً سنہ ١٨٨٥ء۔ میر باقر صاحب باقرؔ تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ میر باقر کے دیوان کے آخر میں ان کا ہوا



قطعہ تاریخ طباعت بھی مندرج ہے۔ اپریل سنہ ١٩١٩ء میں آل انڈیا مشاعرہ مقام درگاہ حضرت شاہ ارزاں قدس سرہٗ میں انہوں نے یہ غزلیں پڑھی تھیں جو رسالہ تاج میں شایع ہوئی تھیں۔ دس بارہ سال ہوئے انہوں نے انتقال کیا۔

اس دل زار میں جب عشق پریزاد آیا　　نور حق دیدہ باطن میں خدایاد آیا

حق پرستی سے مرا دل ہے منور زاہد　　دیکھ کر حسن بتاں مجکو خدایاد آیا

کیا کہیں عاشق جانباز کا کیسا ہے نصیب　　کوے جاناں سے کبھی آیا تو ناشاد آیا

کیسی تقدیر ہے مرغان چمن کی یارب　　فصل گل آتے ہی گلزار میں صیاد آیا

مرغ دل لاکھوں گرفتار رہے دام میں آج　　بال کھولے ہوئے جب باغ میں صیاد آیا

حیف صد حیف غم ہجر میں موت آئی مگر　　سر بالیں نہ کبھی بانی بیداد آیا

غم یہ غم سہتے ہیں فرقت میں ترے اے ظالم　　نالہ ہرگز نہ لبوں پر دم فریاد آیا

میں تو سر دینے کو مقتل میں کھڑا ہوں لیکن　　خواب میں بھی نہ کبھی سامنے جلاد آیا

مرمٹے خاک ہوئے حسن کے غم فرقت میں　　قبر پر بھی نہ کبھی وہ ستم ایجاد آیا

خار غم چبھ گیا نشتر کی طرح دل میں مرے　　جبکہ تیر نگہ یار مجھے یاد آیا

مجھ ستمکش کے سوا جور و جفا کے لئے ہائے　　اے فلک تجھکو کوئی اور نہیں یاد آیا

بے کسی کے سوا اس عالم تنہائی میں　　کوئی آیا بھی تو وہ صورت جلاد آیا

لوٹ آئی مری پھر جان مری آنکھوں میں　　کون اس وقت دم مرگ مجھے یاد آیا

آتش ہجر سے جل بھن کے ہوا خاک یہ دل　　پر نہ ہونٹوں پہ دھواں بھی دم فریاد آیا

دیکھکر گلشن دل میں مرے داغوں کی بہار　　حور و غلماں کو کبھی گلزار ارم یاد آیا

ان کے آنے کی خبر سن کے پریشانی میں　　حال کہنے کو زباں تک یہ دل ناشاد آیا

نہیں قابو میں رہا دل نہ جگر پہلو میں — وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

آبدیدہ ہوا تو دیکھ کے کیوں مجھ کو فلک — اے صنوبر تجھے بیٹھے ہوئے کیا یاد آیا

---

بند کیں آنکھیں تو دیکھی میں نے صورت یار کی — کھل گئی ساری حقیقت مخزن اسرار کی

پھر بہار آئی ہے پھر رونق بڑھی گلزار کی — پھر طبیعت جوش پر ہے ان دنوں میخوار کی

آرزو ہے ہر بشر کو اس پری رخسار کی — ہے محبت سب کو اس کے ابروئے خمدار کی

دعا پڑھی جب دیکھی میں نے صورت یار کی — اور دل میں آرزو بڑھتی گئی دیدار کی

اے برہمن کیسا ملک پابندی دام ہوس — طالب حق کو کوئی حاجت نہیں زنار کی

کنج تنہائی میں ہوتا ہے حقیقت کا ظہور — دیدۂ دل میں تجلی ہے خیال یار کی

ہر طرف روشن ہے جز نور مبارک اور کیا — روشنی پھیلی ہے ہر سو معدن انوار کی

پھر بڑھا جوش جنوں وحشی چلے پھر سوئے دشت — پھر بڑھی جاتی ہے رونق وادی پرخار کی

زخم دل کیونکر بھرے پھر دل کے اندر ان دنوں — چبھ رہی ہے نوک تیغ ابروئے خمدار کی

نقد دل لے لیکے ہاتھوں میں ہیں سب عاشق کھڑے — کس قدر رونق بڑھی ہے عشق کے بازار کی

عاشقاں پر ہوئے زلف عنبریں کے روبرو — کچھ حقیقت ہی نہیں ہے چین کی تاتار کی

میں تو مقتل میں کھڑا ہوں اے ستمگر جلد آ — ہے تمنا میری گردن کو تری تلوار کی

بند ہو جائیں گی آنکھیں گر تصور میں ترے — پھر تو کھل جائیگی قسمت دیدۂ بیدار کی

حسرتیں دل کی اگر نکلیں تو نکلیں کس طرح — ہے پڑی زنجیر دل پر گیسوے خمدار کی

بیکسی کی حالتوں میں درد و غم کے ماسوا — ایک بھی صورت نہیں دیکھی کسی غمخوار کی

لاکھوں کشتہ ہو گئے جانیں ہزاروں کی گئیں — ہے عجب تاثیر اس کی شوخی رفتار کی

جاں دوبارہ میں نے پائی اے صبا صد شکر ہے — بو کہاں سے تو اڑا لائی ہے زلف یار کی

اے صنوبر گل کھلے جو آج مرجھائیں گے کل — کس نے دیکھی ہے بہار یکساں کسی گلزار کی



(۱۰۱) فطرتی۔ بابو ہیرا لال۔ ساکن محلہ پان دریبہ متصل گزری پٹنہ شاگرد منشی محمد باقر باقر عظیم آبادی تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی سنہ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۵۲ء۔ میر باقر کے دیوان کے آخر میں ان کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ طباعت بھی موجود ہے۔

ان کی یہ غزل گیا کے مشاعرہ سنہ ۱۹۲۲ء کی رپورٹ مندرجہ رسالہ تاج ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں شایع ہوئی تھی۔

جب سے برگشتہ جہاں میں ہوئی عزت میری — پھیر لیتے ہیں وہ منہ دیکھ کے صورت میری

دل و جاں نے بھی کی وقت پہ شرکت میری — حیرت افزا ہے زمانہ میں مصیبت میری

حسن جاناں پہ نظر پڑتے ہی جاتے رہے ہوش — اک اشارے میں یہاں لٹ گئی دولت میری

جس کی امید پہ بیٹھا ہوا دنیا میں ہا — ہائے اس نے کبھی پوچھی بھی نہ حالت میری

نہ قلم کرتے مرا شوق سے قاتل لیکن — حشر میں رنگ دکھا دے گی شہادت میری

یا الہی مرے دشمن کو بھی یہ دکھ نہ دکھا — جس مصیبت سے کٹی ہے شب فرقت میری

اب میں امید کروں بعد فنا کیا ان سے — زندگی میں جو نہ نکلی کبھی حسرت میری

ان کے سب ظلم و ستم سہتا ہوں دل پر لیکن — ان سے پھرتی ہی نہیں پھر بھی طبیعت میری

میں جدا سب سے ہوں دنیا میں نہیں مجھ سا کوئی — کس سے ملتی ہے بتا دے کوئی صورت میری

کس جگہ فکر نہیں ان کی، نہیں ان کی تلاش — ان کا دیدار ہو ایسی کہاں قسمت میری

ظلم سہتا رہا اف تک نہ زباں پر آئی — فطرتی آپ نے دیکھی یہ شرارت میری

---

وہ ہم کو خواب میں صورت دکھا کے بیٹھے ہیں — نصیب آج ہم اپنا جگا کے بیٹھے ہیں

نہ پوچھ شوق شہادت کا ہم سے کچھ احوال — شہید ہونے کو مقتل میں آ کے بیٹھے ہیں

سوال شوق شہادت کیا نہیں جاتا — خموش سامنے قاتل کے جا کے بیٹھے ہیں

ہمارے پاس ہی کیا نذر کیا کریں انکو
جو نقد دل تھا اسے بھی لٹا کے بیٹھے ہیں

ہجوم اہل محبت سے ہو گئے عاجز
یہی سبب ہے کہ پردے میں جا کے بیٹھے ہیں

فراق میں کسی گلگوں قبا کے گھبرا کر
چمن میں دل کی تسلی کو آ کے بیٹھے ہیں

کہاں ہو اب ہمیں طاقت کہ اٹھ کے جائیں کہیں
نگہ کے تیر تو ہم دل پہ کھا کے بیٹھے ہیں

خدا کے واسطے اے فطرتی بغور تو دیکھ
کہ کون چھپ کے نگاہوں میں آ کے بیٹھے ہیں

(۱۰۲) منت ۔ منشی گور بخش ساکن محلہ دھوبیورہ متصل بیگم پور عظیم آباد
ان کی ایک مختصر سی بیاض خود نوشتہ پٹنہ ) ر ۱۱۷۵ یونیورسٹی لائبریری میں پائی
گئی جس میں کچھ مخمس اور غزل کے اشعار وغیرہ پائے گئے ۔ یہ بیاض سنہ ۱۹۰۵ء
کے کچھ بعد کی لکھی ہوئی ہے مندرجہ ذیل اشعار اسی سے نقل کئے گئے ہیں ۔

غضب ہیں یار کی ترچھی نگاہیں
رگ جاں چھیدتی ہیں تیر کیا ہے

پڑھا کس نے ہو خط پیشانیوں کا
کہ تا معلوم ہو تحریر کیا ہے

عبث کہنا تمہارا ہے یہ منت
بتوں کے روبرو تقریر کیا ہے

(۱۰۳) جوہر ۔ بابو رادھے لال ۔ راقم ان کو جانتا تھا لیکن ان کا کلام
دستیاب نہوا اسلئے کہ ان کے ورثا بھاگلپور کی طرف چلے گئے اور وہیں مقیم
ہیں ۔ جوہر منشی بجرنگ سہائے صنوبر اور بابو ہیرا لال فطرتی کے عزیزوں
میں تھے سنہ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۴ء تھا دس بارہ برس ہوا انتقال
کیا میر محمد باقر عظیم آبادی تلمیذ وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے ۔

(۱۰۴) درد ۔ لالہ امرت لال ساکن لودی پور ضلع گیا ۔ اردو شاعری
سے خاص شغف رکھتے تھے اور خلش ندروی (گیاوی) کو اپنا کلام دکھاتے
تھے ۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تصویر رسالہ تاج گیا میں نشتر اور فرد کی تصویروں



کے ساتھ شایع ہوئی اس میں درد شیروانی اور گول ٹوپی پہنے نظر آتے ہیں
سنہ ۱۹۲۵ء کے قریب تخمیناً پینتالیس ۴۵ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔ ان کا کلام
متفرق رسالوں میں شایع ہوا کرتا تھا اس جگہ بطور نمونہ کچھ اشعار درج
کئے جاتے ہیں ۔

غزل مطبوعہ آل انڈیا مشاعرہ گیا سنہ ۱۹۲۳ء

ترک الفت اپنی خلقت میں ہی گو داخل نہیں
کیا کروں ناصح مگر اب امتناع دل نہیں

میں تجھے نوشیرواں بھی کہدوں کچھ حاصل نہیں
ساری دنیا کہتی ہے تجھ سا کوئی قاتل نہیں

بزم افسردہ نہیں ہو کیونکہ گاندھی کے بغیر
روشنی کیا ہو جہاں شمع سر محفل نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ سینہ سے لگا لوں یار کو
عقل کہتی ہے کہ اس عزت کے وہ قابل نہیں

صبر سے اے درد اپنا کام کرتے جائیے
اس سے بہتر اور کوئی کوشش کامل نہیں

---

کیوں نہ مر جاؤں جو پہلو میں وہ دلدار نہیں
زندگی تلخ ہے جس کا ہو کوئی یار نہیں

کہدے اے باد صبا اس گل تر سے جا کر
تیرے بیمار میں اب زیست کے آثار نہیں

ہو کے آزاد بھی اے درد نہیں ہے آزاد
دام گیسو میں جو ظالم کے گرفتار نہیں

غزل مطبوعہ رسالہ تاج گیا ماہ اگست سنہ ۱۹۲۲ء)

شکریہ شاعران کامل کا
جم گیا رنگ آج محفل کا

منہ پہ کہتا ہے حال دشمن و دوست
صاف اتنا ہے آئینہ دل کا

شادیانے خوشی کے بجتے ہیں
آج نکلا ہے حوصلہ دل کا

ضبط کی آہ مرحبا اے عشق
پردہ اٹھ جاتا ورنہ محمل کا

بزم میں سیکڑوں حسیں ہیں درد
کوئی پرساں نہیں مگر دل کا

---

نزع میں چھوڑ کے کیوں غیر کے گھر جاتے ہیں
ہم کدھر جاتے ہیں اور آپ کدھر جاتے ہیں

کوئے قاتل میں جو ہم سینہ سپر جاتے ہیں    لوگ کہتے ہیں کہ یہ موت کے گھر جاتے ہیں

بدحواسی مرے نالوں کے اثر کی دیکھو    گھر ہے اُس بت کا کدھر اور کدھر جاتے ہیں

دردِ دل دردِ جگر آہ و فغاں شور و بکا    آج اس ہجوم سے ہم ہار کے گھر جاتے ہیں

لطفِ برسات کا جب ہجر میں آتا ہے خیال    اشک آنکھوں میں مری آکے ابھر جاتے ہیں

تم دکھاؤ نہ مجھے ابروئے خمدار کی باڑھ    مرنے والے کہیں شمشیر سے ڈر جاتے ہیں

بحرِ الفت نے مجھے جب سے ڈبویا ہے درد    چاہ کا نام بھی سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں

(۱۰۵) راحم — بابو رام انوج سہائے وکیل عدالت پٹنہ خلف منشی رام پرکاش لال ساکن موضع نکھیان پور ضلع شاہ آباد (آرہ) صوبہ بہار کے مشہور و معروف اور معزز وکیل تھے سنہ ۱۹۲۲ء میں کانگریس کے اجلاس کے موقع پر ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی منعقد ہوا تھا جس کی صدارت سیماب اکبر آبادی نے کی تھی۔ اس مشاعرہ کی استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین بابو رام انوج سہائے منتخب ہوئے تھے۔ سال ولادت سمبت ۱۹۲۸ ہے ان کی تصنیف سے ایک ناول موسوم بہ جادوگر جوگی شایع ہوا تھا۔ شاعری کا نمونہ یہ ہے۔

مست ہو کر پھر رہی ہے آج اترائی ہوئی    کوچہ جاناں سے ہے شاید صبا آئی ہوئی

(۱۰۶) افسر — بابو بکرماں دت لال ساکن شہسرام شاگرد اختر شہسرامی نمونہ کلام یہ ہے۔

ہلال اہل زمانہ کو ہے سبق آموز    کہ رفتہ رفتہ میسر کمال ہوتا ہے

(۱۰۷) قمر — بابو رنجیت سنگھ متوطن گیا انکا یہ شعر ایک بیاض میں ملا۔

ششدر آئینہ ہے انکا روئے تاباں دیکھ کر    اور انہیں سکتہ ہے آئینہ کو حیراں دیکھ کر



تاج ماہ فروری سنہ ۱۹۳۰ء میں ان کی تصویر نطق و درد اودی پوری کے ساتھ شایع ہوئی تھی اس میں فرد شیروانی اور سیاہ گول ٹوپی پہنے نظر آتے ہیں عمر اس وقت غالباً پینتیس ۳۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔

(۱۰۸) فدا — منشی کلدیپ سہائے متوطن شہسرام شاگرد راحت شہسرامی نمونہ کلام یہ ہے۔

گلوں نے بلبلِ شیدا کو اشکبار کیا    مجھے تمہاری محبت نے بے قرار کیا

(۱۰۹) کلدیپ — منشی ٹھاکر کلدیپ نرائن وکیل شہسرام تلمیذ راحت شہسرامی سنہ ۱۹۱۰ء میں فوت ہوئے نمونہ کلام یہ ہے۔

عارضِ افشاں کا کل کے تصور میں ترے    صبح تک گنتے رہے کلدیپ تارے شام سے

(۱۱۰) لچھمی — بابو لچھمی نرائن عظیم آبادی زیادہ حال معلوم نہوا۔ ان کی یہ غزل تاج ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء میں عظیم آباد کے مشاعرہ کی رپورٹ کے سلسلہ میں شایع ہوئی تھی۔

کیوں مجھے چھوڑ چلی دشت میں وحشت میری    کچھ دنوں اور بھی کرتی یہ رفاقت میری

وعدے بھی کرتے ہیں پھر آپ مکرتے بھی ہیں    یہ سمجھتے ہی نہیں بڑھتی ہے وحشت میری

پردے ہی رہتے ہیں عشاق سے وہ کہتے ہیں    حشر سے پہلے نہ دیکھے کوئی صورت میری

جس کو کل رات بہت غور سے سنتے تھے حضور    قصہ کا قصہ نہ تھا وہ تھی حکایت میری

جور پر جور سہے لاکھ مگر اف بھی نہ کی    پھر ستم دیکھو وہ کرتے ہیں شکایت میری

آنکھ نرگس کی دہن غنچے کا بو ہے گل کا    ٹوٹ کر آئے نہ کیوں اس پہ طبیعت میری

ہیں وہ ناکام محبت ہوں ازل سے ہمدم    مرتے مرتے بھی نہ نکلی کوئی حسرت میری

وادیٔ عشق میں تجھ سا جو نہ ہوتا رہبر    اے جنوں سچ ہے کہ بڑھتی نہیں ہمت میری

ابتدا جوشِ جنوں کی ہے ابھی کیا ہوگا  چار دن بعد غضب ڈھائے گی وحشت میری
منزلوں دور ابھی وصل کی ساعت ہوگی  اور مسرور ابھی سے ہے طبیعت میری
گردشِ دیدۂ جاناں کی بدولت مجھی  مثلِ سرمہ کے پسی جاتی ہے تربت میری

(۱۱۱) کشور ۔ بابو نند کشور لال ساکن محلہ لودیکٹرہ عظیم آباد۔ لڑکوں کو پڑھانے کا مشغلہ رکھتے ہیں اسلئے عوام ماسٹر نند کشور کہلاتے ہیں۔ اکثر مشاعروں میں غزلیں پڑھتے ہیں۔

عظیم آباد کے مشاعرہ سنہ ۱۹۲۲ء کی رپورٹ مندرجہ رسالہ تاج دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں ان کی یہ غزلیں شایع ہوئی تھیں۔

روز جس بزم میں ہوتی ہے شکایت میری  کب وہاں جانے کو چاہے گی طبیعت میری
غم نہیں اس کا اگر لٹ گئی دولت میری  میرے اللہ سلامت رہے عزت میری
داستانِ قیس کی اک قصہ پارینہ ہے  آ کے سن جائیے اب تازہ حکایت میری
خیریت پوچھ رہے ہیں جو مری ہنس ہنس کر  کر چکے ہیں یہی رو رو کے شکایت میری
پاؤں رکھنے کی جگہ کوچہ قاتل میں نہیں  دیکھیے اب کہ کہاں بنتی ہے تربت میری
یونہی اٹکھیلیاں کرتی جو رہی بادِ صبا  اُڑ کے ہو پہنچے گی ترے کوچہ میں تربت میری
گردشِ چشمِ فسوں ساز کا میں کشتہ ہوں  سب کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے تربت میری
آج رہ جائیے معلوم نہیں کیا ہوگا  کل چلے جائیے گا دیکھ کے حالت میری
قیس کہتا ہوا نکلا یہ جنوں میں گھر سے  کس کے سر پڑتی ہے اب دیکھیے وحشت میری
ڈھونڈنے جاتے ہیں کیا گورِ غریباں کی طرف  آپ کے پاؤں کے نیچے تو ہے تربت میری
میرے رونے سے وہ گھبرائے ہوئے ہیں کشور
ظاہر اغیار پہ ہو جائے نہ الفت میری



وہ بے حجاب چمن میں جو آ کے بیٹھے ہیں  پڑی یہ اوس کہ گل منہ چھپا کے بیٹھے ہیں
جوان کے سایۂ گیسو میں آ کے بیٹھے ہیں  مزا وہ کالی گھٹا کا اٹھا کے بیٹھے ہیں
عدو کا غنچۂ خاطر کھلا کے بیٹھے ہیں  ہمارے پہلو میں تیور چڑھا کے بیٹھے ہیں
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں لڑا کے بیٹھے ہیں  ہم اپنے آپ کو حیراں بنا کے بیٹھے ہیں
وہ پھیر دیکھ کے کہنے لگے خدا کی پناہ  ہماری جان کے گاہک یہ آ کے بیٹھے ہیں
سمجھ کے سوختۂ آتشِ فراق اپنا  وہ میری خاک سے دامن بچا کے بیٹھے ہیں
کسی طرح تو دلِ مضطرب کو چین آئے  تمہارا نقشِ تصور جما کے بیٹھے ہیں
گئے ہیں سیر چمن کو وہ غیر کے شامل  ہماری راہ میں کانٹے بچھا کے بیٹھے ہیں
خدا گواہ ہے کٹتی ہے چین سے کشور  ہم اپنی ہستی کو جب سے مٹا کے بیٹھے ہیں

(۱۱۲) کشتہ ۔ بابو اودھ کشور پرشاد بی اے ال ال بی خلف بابو نند کشوری پرشاد ساکن موضع پردہ ضلع گیا۔ سنہ ولادت سنہ ۱۸۹۳ء اور سنہ وفات سنہ ۱۹۴۹ء ہے۔ گیا کے مشاہیر سند و شعرا میں تھے۔ عرصہ تک میونسپل کمشنر بھی تھے۔ شعر و سخن سے خاص شغف رکھتے تھے اور اورینٹ کلب گیا کی روح رواں تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۱۶ میں ایک ڈرامہ موسوم بہ چھپی کٹاری تصنیف کیا تھا جو بنگالی کلب میں کھیلا گیا تھا۔ اور شہر کے رؤسا اس کو دیکھنے کے لئے مدعو کئے گئے تھے۔ بعد میں انوکھی برچھی، بھول پر بھول اور اجال ادھار نامی ڈرامے اردو میں لکھے۔ ابتدا میں خلش گیاوی سے اصلاح سخن لیتے تھے پھر خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہوئے آخر میں نوح ناروی سے تلمذ حاصل کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اتنا شہرہ ہے ماہ کامل کا | لیکن اک داغ ہے مرے دل کا
پھول برسائیں وہ رقیبوں پر | میں تو کانٹا ہوں ان کی محفل کا
حالِ مفلس سمجھ کے اے گشتہ | کوئی خواہاں نہیں مرے دل کا

ہم کو کیا علم کدھر آئے کدھر جاتے ہیں | اک کشش ہے لئے جاتی ہے جدھر جاتے ہیں
کس کے نالہ نے کیا شور قیامت برپا | آپ تھامے ہوئے کیوں قلب و جگر جاتے ہیں
کوچہ عشق ہے یا ملک عدم کی منزل | ہوش میں کیوں نہیں آتے جو ادھر جاتے ہیں
صاف آتا ہے نظر صبح و مسا کا منظر | رخ پر نور پہ گیسو جو بکھر جاتے ہیں
نکلے نہاں تو آتے ہیں تمہارے پیکاں | میزباں نکلے مگر دل میں ٹھہر جاتے ہیں
ان حسینوں کی دو رنگی کے کرشمے دیکھو | منہ سے اقرار نگاہوں سے مکر جاتے ہیں
دل کو برماتا ہے یہ خواب پریشاں گشتہ | مجھ سے چھپ چھپ کے وہ اغیار کے گھر جاتے ہیں

(۱۱۴۳) **خلش** ۔ بابو جگیشر پرشاد خلف منشی کاشی ناتھ ساکن موضع بدرہ ضلع گیا۔ کہنہ مشق اور ذی علم شاعر ہیں۔ اس ضلع کے اکثر مبتدی شعرا ان سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ان کی ادارت میں رسالہ تاج برسوں تک بہت آب و تاب سے نکلتا رہا اور ۱۹۱۶ء میں گیا میں آل انڈیا مشاعرہ بھی انہیں کی سعی سے منعقد ہوا تھا اس کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مشاعرے دھوم دھام سے ہوئے۔ اردو سبھا گیا کے سکریٹری تھے۔ انہوں نے شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بہ فروغ بزم (مطبوعہ ۱۹۳۰ء) بھی مرتب کیا ہے۔ بیسوی صدی عیسوی کے اول ربع میں اردو شاعری اور ادب کی ترقی میں انہوں نے بہت کافی حصہ لیا سیاسی تحریکوں میں بھی انہوں نے عملی حصہ لیا راقم کی خواہش تھی کہ ان کے خود نوشتہ حالات



اس تذکرہ میں درج کئے جائیں انہوں نے اپنے حالات لکھکر دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن ابتک نہ بھیجا اسلئے راقم کو جو کچھ معلوم تھا اس جگہ درج کیا۔ اس وقت ان کی عمر تخمیناً ساٹھ سال ہے ان کا کلام تمام اصناف شاعری میں پایا جاتا ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے کسی قدر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

نام یوں عاشق صادق ترے کر جاتے ہیں | موت آنے نہیں پاتی ہے کہ مر جاتے ہیں
میری تقدیر سے اچھے ہیں تمہارے گیسو | جب بگڑتے ہیں سنوارے سے سنور جاتے ہیں
رات بھر رو رو کے ہمکو بھی رلاتی ہے محبت | ہم سے جلتی ہے تو اے شمع بکھر جاتے ہیں
ابھی کمسن ہیں وہ سنکر مرے نالے شب ہجر | سہم جاتے ہیں جھجک جاتے ہیں ڈر جاتے ہیں
یہ کہاں تاب کہ دیکھیں رخ روشن تیرا | مرنے والے ترے انداز پہ مر جاتے ہیں
المدد جذبہ دل اے کشش عشق مدد | مجھ سے پھر روٹھ کے وہ غیر کے گھر جاتے ہیں
اٹھ کے کعبہ سے تو ہم آئے ہیں بتخانے کو | دیکھیں اب بت جو اٹھاتے ہیں کدھر جاتے ہیں
توڑ کر عہد وفا جاتے ہو تم غیر کے گھر | ہم بھی اب نزع میں دم توڑ کے مر جاتے ہیں
یاد رہجاتی ہے بے مہری احباب خلش | دن مصیبت کے گذرنے کو گزر جاتے ہیں

کیوں دل کو تڑپ ہے آہ پھر کیوں چپکے چپکے رونا ہے
کچھ سچ تو بتا اے بخت سیہ اب ہجر کی شب کیا ہونا ہے
ہو مرگ عدو کا غم کس کو ہے جام و سبو کا غم کس کو
رونا ہے مجھے یہ آہ پھر کیوں غیر کا ان کو رونا ہے
وہ رشک چمن وہ غنچہ دہن تھے پھول سے جن کے نازک تن
اب بعد فنا اک عالم ہو، مٹی ہے لحد کا کونا ہے

اس تذکرہ میں درج کیے جائیں انھوں نے اپنے حالات لکھ دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن ابتک نہ بھیجا اسلیئے راقم کو جو کچھ معلوم تھا اس جگہ درج کیا۔ اس وقت ان کی عمر تخمیناً ساٹھ سال ہے ان کا کلام تمام اصناف شاعری میں پایا جاتا ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے کسی قدر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

نام یوں عاشق صادق ترے کر جاتے ہیں    موت آنے نہیں پاتی ہے کہ مر جاتے ہیں

میری تقدیر سے اچھے ہیں تمہارے گیسو    جب بگڑتے ہیں سنوارے سے سنور جاتے ہیں

رات بھر رو رو کے تمکو بھی رلاتی ہے عبث    ہم سے جلتی ہے تو اے شمع سحر جاتے ہیں

ابھی کمسن ہیں وہ سنکر مرے نالے شب ہجر    سہم جاتے ہیں جھجک جاتے ہیں ڈر جاتے ہیں

یہ کہاں تاب کہ دیکھیں رخ روشن تیرا    مرنے والے ترے انداز پہ مر جاتے ہیں

المدد جذبۂ دل اے کشش عشق مدد    مجھ سے پھر روٹھ کے وہ غیر کے گھر جاتے ہیں

اٹھکے کعبے سے تو ہم آئے ہیں بتخانے کو    دیکھیں اب بت جو اٹھاتے ہیں کدھر جاتے ہیں

توڑ کر عہد وفا جاتے ہو تم غیر کے گھر    ہم بھی اب نزع میں دم توڑ کے مر جاتے ہیں

یاد رہجاتی ہے بے مہری احباب خلش    دن مصیبت کے گذرنے کو گزر جاتے ہیں

کیوں دل کو تڑپ ہے آٹھ پہر کیوں چپکے چپکے روتا ہے
کچھ سچ تو بتا اے بخت سیہ اب ہجر کی شب کیا ہوتا ہے

ہے مرگ عدو کا غم کس کو ہے جام و سبو کا غم کس کو
رونا ہے مجھے یہ آٹھ پہر کیوں غیر کا ان کو رونا ہے

وہ رشک چمن وہ غنچہ دہن بھتے پھول سے جن کے نازک تن
اب بعد فنا اک عالم ہو، مٹی ہے لحد کا کونا ہے

پھر، ہجر کی شب لب پر ہے فغاں سینے میں تلاطم ہے دل میں خلش
آثار برے آتے ہیں نظر معلوم نہیں کیا ہوتا ہے
مر کے خلش ہو خاک بسر اور بعد فنا تم لو نہ خبر
جو حسرت ہے یہ حسرت ہے جو رونا ہے یہ رونا ہے

اس پہ کیوں مرتے ہیں کیوں اسکی تمنا دل میں ہے    بات کچھ کھلتی نہیں جو خنجر قاتل میں ہے

دور ساغر کی طرح گردش ہے اہل بزم کو    آپ سے باہر ہے وہ جو آپ کی محفل میں ہے

دیکھیے آکر یہاں رنگین پھولوں کی بہار    اک شگفتہ باغ ہے جو داغ میرے دل میں ہے

ناصح مشفق نصیحت اپنی رہنے دیجیے    عشق کا جوہر ازل سے میرے آب و گل میں ہے

ایک ہی صورت کو دو کرکے دکھا دیتا ہے یہ    جوہر آئینہ پنہاں خنجر قاتل میں ہے

غیر ہنستا ہے ادھر مجکو لب جاں دیکھ کر    میں ادھر خوش ہوں کہ کشتی دامن ساحل میں ہے

ہوش کس کو ہے جو لے اٹھ کر قیامت کی خبر    دم بخود ہر اک عدم کی پہلی ہی منزل میں ہے

حشر میں ہم داد چاہیں ور ان کے سامنے    رعب اتنا ہے کہ منہ کی منہ میں دل کی دل میں ہے

قبر میں آتے ہی روشن ہو گیا محشر کا حال    آخری منزل کا منظر پہلی ہی منزل میں ہے

چھپ نہیں سکتا چھپائے سے غبار آئینہ    صاف چہرے سے عیاں ہے جو تمہارے دل میں ہے

دل کے دینا سمجھا ہے اور دیکھے ملتا ہے خلش    بڑھ کے قاتل سے یہ خوبی خنجر قاتل میں ہے

خلش نے اپنے پسر کا مرثیہ کہا تھا جو رسالہ تاج مئی سنہ ۱۹۲۷ء میں شایع ہوا تھا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

## غم پسر

اس سے پہلے نہ کبھی مورد آزار تھے ہم    واقف رنج و مصیبت نہیں زنہار تھے ہم

دام صیاد الم میں نہ گرفتار تھے ہم    صرف اک محفل عشرت سے خبردار تھے ہم

ایک جلوہ نے کسی کے محو حیرت کر دیا آئینہ میں بن گیا رخسار جاناں دیکھ کر

خضر بھی راہ عشق میں گم ہیں کس سے پوچھوں نشان منزل کا

آئینہ آپ جس کو کہتے ہیں ایک ٹکڑا ہے وہ مرے دل کا

(۱۱۴) رنگیںؔ۔ بابو کشن نرائن لال ماتھر ابن بابو ہر نرائن لال ماتھر آنجہانی ساکن تارنی پرشاد لین پٹنہ ۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں کافی تعلیم حاصل کی ہے۔ شعر گوئی کا مذاق فطری ہے۔ سن شعور سے ابتک مشق سخن جاری ہے۔ اکثر مشاعروں میں آپکا کلام بہت مقبول ہوا ہے۔ راقم کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ اٹھائیس سال سے محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی میں اسسٹنٹ ماسٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل غزل تذکرہ کے لئے لکھکر عنایت کی ہے۔

رنگیں شفق سے جیب جو ہے جوئبار کا دامن لٹک رہا ہے عروس بہار کا

شہرہ ہے آمد آمد فصل بہار کا ہر نخل منتظر ہے نئے برگ و بار کا

آئی بہار چار طرف آگ سی لگی ہر لالہ زار آئینہ ہے شعلہ زار کا

ہے دام صید امید میں بلبل کا دل اسیر آیا ہے گلستاں میں زمانہ بہار کا

محفل میں فیض ساقیٔ عادل کا عام ہے پیمانہ بے شراب ہے کس بادہ خوار کا

سارے جہاں میں آج مشہور آج ہیں احساں کہیں نہ بھولے یہ ہو ایسی خاکسار کا

دنیائے رنگ و بو میں بسر زندگی ہوئی میں آشنا ہوں راز خزاں و بہار کا

شاخ مراد جس کی نہ پھولے پھلے کبھی وہ نخل عمر ہوں میں چمن روزگار کا

کانٹے جو پاسباں ہیں تو گل مطمئن نہ ہوں رنگیں کے دل میں خوف نہیں نوک خار کا



اس گل کو فکر کیا مرے حال خراب کی دن رات جو ہے مست خود اپنی بہار کا

اے نازنیں جو آٹھ پہر مست ناز ہے کچھ حال غم بھی سن دل حسرت شعار کا

دن کو سکون نصیب شب کو نصیب چین رنگیں نہ پوچھ حال دل سوگوار کا

رنگیں نے اپنے حالات اور غزل سنہ ۱۹۵۸ء میں راقم کو لکھکر دی تھی اس کے کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۱۵) ہوشؔ۔ بابو کامتا پرشاد خلف منشی گلاب لال۔ ساکن موضع بیری (سب ڈویزن نوادہ) ضلع گیا۔ ان کے والد اردو اور فارسی کے دلدادہ تھے۔ سابق زمانہ میں بھی ان کا خاندان علم و ادب کی بدولت اس علاقہ میں ممتاز تھا۔ ہوش سنہ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے بچپن میں ان کے والد نے ان کو ایک گروجی کے پاٹھ شالے میں بٹھا دیا لیکن تھوڑی مدت کے بعد ان کو اپنے ایک قرابت مند منشی چکر دھر پرشاد صاحب کے سپرد کیا انہوں نے ان کا مکتب کیا اور اردو کی تعلیم شروع کرائی لیکن ان کے والد ایک لایق معلم کی تلاش میں تھے اتفاق سے ان کو مولوی شیخ تصدق حسین صاحب مل گئے جو ہندی، اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ سابق میں مولوی صاحب موصوف کہیں اسٹیشن ماسٹر تھے لیکن نوکری سے مستعفی ہو کر درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا تھا منشی گلاب لال صاحب کے مکان پر رہکر انہوں نے ہوش اور ان کے چار قرابت مند لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا اور سنہ ۱۹۲۷ء تک ہوش نے انہیں سے اردو، فارسی اور انگریزی پڑھی۔ مولوی صاحب شاعر بھی تھے اسلئے ان کی صحبت میں کم سنی ہی سے ہوش کا فطری ذوق شاعری ابھرنے لگا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں ہوش نوادہ ہائی اسکول

میں داخل کئے گئے اور یہاں بھی اتفاق سے ایک مولوی صاحب تھے جو شعر و شاعری
سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ہوش نے کانگریسی تحریک سے متاثر
ہو کر سلسلہ تعلیم کو خیرباد کہا اور کانگریسی تحریکوں میں پیش پیش رہنے لگے۔
چند بار قانون شکنی میں پیش رو ہو کر گرفتار بھی ہوئے اور ہڑتال کرانے کے
جرم میں اسکول سے نکال دیے گئے۔ اب یہ جنگ آزادی میں اپنے ہم سنوں کی
رہبری کرنے لگے اور کانگریسی لیڈروں میں بے حد ہر دل عزیز ہو گئے۔ انکی
بے باکی اور دلیری کو دیکھ کر سری انوگرہ نرائن سنگھ اور دوسرے لیڈروں نے
ان کو گلے سے لگا کر اور بھی ہمت افزائی کی۔ بہرکیف انہوں نے اسی طرح کچھ
دن گزارنے کے بعد سنہ ۱۹۳۶ء میں میٹرک پاس کیا لیکن اس وقت ان کے
والد ضعیف ہونے کے سبب ملازمت چھوڑ بیٹھے اسلئے کالج کی تعلیم جاری
نہ رہ سکی۔ سنہ ۱۹۳۸ء سے ہوش نے ملازمت شروع کی پہلے مان بھوم میں
ایک مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد انوگرہ
بابو (وزیر مالیات بہار) کی مدد سے ٹاٹا کمپنی میں ملازم ہو گئے جہاں اس
وقت تک برسرکار ہیں۔ قابل ذکر یہ بات ہے کہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا
شاعری کا مشغلہ برابر جاری رکھا۔ جمشید پور کی ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے
اور مشاعروں میں ہمیشہ شرکت کرتے رہے۔ موسیقیت اور ترنم کے سبب
ان کا کلام اکثر بہت مقبول رہا اور صوبہ بہار کے بعض شہروں میں مشاعروں
کے موقع پر اکثر اپنا کلام سنانے کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ رسالہ سہیلی
گیا میں بھی ان کا کلام اکثر شایع ہوتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ تک انجمن ترقی
پسند مصنفین کے کارکنوں میں بھی شامل رہے انہوں نے جمشید پور میں اپنی



تحریک اور سعی سے بھی شاعری کی انجمنیں قایم کی تھیں راقم کے پاس انہوں نے
اپنے مفصل حالات اور کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجے ہیں حالات کا ملخص
اوپر درج ہوا کلام کا انتخاب یہ ہے۔

رباعی

بس خون جگر روز پئے جاتا ہوں　　لے لے کے ترا نام جئے جاتا ہوں
غافل ہوں مگر منزل مقصود کو ہوش　　گر پڑ کے بھی نزدیک کئے جاتا ہوں
ہر دم کوئی تصویر لئے پھرتا ہوں　　ہر گام پہ تقدیر لئے پھرتا ہوں
کیوں ورنہ رہ جاؤں میں تدبیر سے ہوش　　پیروں میں جو زنجیر لئے پھرتا ہوں

غزل

مری شاعری مری زندگی مری بزم شعر و سخن میں آ
مری بیکلی کی بہار بن مرے اجڑے دل کے چمن میں آ

مری رات کی ہے تو چاندنی مرے دن کی تو ہی تو دھوپ ہے
مرے دل کا تو ہی ہے آسرا مری سانس کی تو تھکن میں آ

مری راہ میں ہیں مصیبتیں مری منزلوں پہ نگاہ ہے
مری الجھنوں کو سنوار دے مرے زخم دل کی چبھن میں آ

ابھی دلدلوں میں سماج ہے ابھی ظالموں ہی کا راج ہے
میں تو رنج و غم کا شکار ہوں مری ہمتوں کی شکن میں آ

مرے لب پہ آج بھی مہر ہے مرا دل تو اب بھی غلام ہے
مری خامشی کی زبان بن مرے جوش دل کی لگن میں آ

ہے عدوئے جاں مرا آسماں یہ زمیں بھی مجھ سے خلاف ہے

تحریک اور سعی سے بھی شاعری کی انجمنیں قائم کی تھیں راقم کے پاس انہوں نے اپنے مفصل حالات اور کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجے ہیں حالات کا ملخص اوپر درج ہوا کلام کا انتخاب یہ ہے۔

## رباعی

بس خونِ جگر روز پیئے جاتا ہوں ــــ لے لے کے ترا نام جیئے جاتا ہوں
غافل ہوں مگر منزلِ مقصود کو ہوش ــــ گر پڑ کے بھی نزدیک کیے جاتا ہوں
ہر دم کوئی تصویر لیئے پھرتا ہوں ــــ ہر گام پہ تقدیر لیئے پھرتا ہوں
کیوں ورنہ سجاؤں میں تدبیر سے ہوش ــــ پیروں میں جو زنجیر لیئے پھرتا ہوں

## غزل

مری شاعری مری زندگی مری بزمِ شعر و سخن میں آ
مری بیکلی کی بہار بن مرے اجڑے دل کے چمن میں آ

مری رات کی ہے تو چاندنی مرے دن کی تو ہی تو دھوپ ہے
مرے دل کا تو ہی ہے آسرا مری سانس کی تو تھکن میں آ

مری راہ میں ہیں مصیبتیں مری منزلوں پہ نگاہ ہے
مری الجھنوں کو سنوار دے مرے زخمِ دل کی چبھن میں آ

ابھی دلدلوں میں سماج ہے ابھی ظالموں ہی کا راج ہے
میں تو رنج و غم کا شکار ہوں مری ہمتوں کی شکن میں آ

مرے لب پہ آج بھی مہر ہے مرا دل تو اب بھی غلام ہے
مری خامشی کی زبان بن مرے جوشِ دل کی لگن میں آ

ہے عدوئے جاں مرا آسماں یہ میں بھی مجھ سے خلاف ہے
مری بدلیوں کو تو چھیڑ دے نیا چاند بن کے گگن میں آ

جو غریب دل کو بڑھا سکے جو گھمنڈ سر کو جھکا سکے
مری آرزو مرے نصیب بن مری لیکھنی کے تو فن میں آ

مرے ناخدا[1] کی ہیں نیتیں مری بحرِ غم میں وفات ہو
مری ناؤ موج میں تھام لے مرے ساحلوں کے پھبن میں آ

مری تربت میں نہ دم رہا مری حسرتوں میں نہ جان ہے
مرے ہوش کا تو چراغ بن مری روشنی کی کرن میں آ

## گیت

جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی ــــ کلیوں میں اک جوش بھرا ہے
مست پرندے ناچ رہے ہیں ــــ آج قفس کا دوار کھلا ہے
چلتی ہے اب بادِ بہاری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

منہ اترا ہے زرداروں کا ــــ محلوں میں اک شور مچا ہے
ظلمت خوف سے کانپ رہی ہے ــــ ایک نیا سورج نکلا ہے
ہوش میں آئے ہیں نرناری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

ہر شے آنکھیں کھول چکی ہے ــــ دیکھ رہی ہے لال سویرا
اب نہ رہیگا اندھیاروں کا ــــ بھارت میں ہر گام پہ ڈیرا

[1] بمعنی ملاح یا ناخدا

ان کو یہ شعر سنایا تھا۔

بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے ۔۔۔ جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

ہوش نے اسی کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ اشعار موزوں کئے ہیں۔

سمجھو نگا زندگی بھی ہوئی ہوش کا رگر ۔۔۔ گر میں وطن کو ہوش میں لا کر چلا گیا

## قطعہ

میں نے جنتا سے لو لگائی ہے ۔۔۔ اپنے جینے کی راہ پائی ہے

کوئی لوٹے نہ اس خزانہ کو ۔۔۔ زندگی کی یہی کمائی ہے

(۱۱۶) **اثر** — بابو امر ناتھ صاحب خلف لالہ ملکھی رام صاحب۔ آبائی وطن قصبہ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ صوبہ پنجاب ہے لیکن ایک عرصہ سے قصبہ صاحبگنج (صوبہ بہار) میں سکونت پذیر ہیں اور یہیں محکمہ ریلوے میں ملازم ہیں۔ ان کے والد صاحب صاحب اردو کے مشہور شاعر تھے اور ان کے بڑے بھائی یعنی اثر صاحب کے چچا لالہ ارجن داس خوشدل اردو اور فارسی کے عالم تھے اور دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اس طور پر اثر صاحب نے ذوق شاعری وارثتاً پایا ہے۔

اثر سنہ ۱۹۱۱ء میں رائے کوٹ میں پیدا ہوئے۔ کم سنی سے شعر گوئی اور مضمون نگاری کا شوق تھا سنہ ۱۹۳۰ء میں ان کی کئی قومی نظمیں لاہور کے اخباروں میں شایع ہوئی تھیں اور اسی سال یہ خود لاہور کے ایک ہفتہ واری اخبار "اتفاق" کے اڈیٹر بھی تھے

اثر صاحب علم دوست اور خلیق ہیں۔ راقم سے غائبانہ ربط و اخلاص رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجا ہے۔ وہ بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

## کلام امر ناتھ اثر

تری صورت کہ معصوم و حسیں معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ مجھے غارت گر ایمان و دیں معلوم ہوتی ہے

محبت بھولتی پھلتی نہیں معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ یہ جلوہ گاہ دل بنجر زمیں معلوم ہوتی ہے

تصور جب تمہارے گیسوئے پر خم کا آتا ہے ۔۔۔ محبت ایک مار آستیں معلوم ہوتی ہے

تمہاری بیوفائی ہو گئی ہے نقش دل جب سے ۔۔۔ تمہاری ہاں بھی اے ظالم نہیں معلوم ہوتی ہے

محبت ہے فریب حسن ہی کا نام دنیا میں ۔۔۔ تمہاری آن تا صبح و لغشیں معلوم ہوتی ہے

اثر کرنے گئی ہے ہائے جو صبر و سکوں جیسے ۔۔۔ تمہاری ہی نگاہ دلنشیں معلوم ہوتی ہے

ہمارے خانہ دل سے کبھی باہر نہیں جاتی ۔۔۔ تمہاری یاد بھی پردہ نشیں معلوم ہوتی ہے

تمہارا ہی تصور ہے بہل جاتا ہے جی جس سے ۔۔۔ وگرنہ زندگی اندوہگیں معلوم ہوتی ہے

تمہارے حسن رنگیں میں کشش ہی اور ہے ورنہ ۔۔۔ مجھے ہر چیز دنیا کی حسیں معلوم ہوتی ہے

محبت سب کی ڈینگیں مارتے ہوئے جہاں والو ۔۔۔ ذرا دل ڈھونڈ کر دیکھو کہیں معلوم ہوتی ہے

ملیں گے کیا اثر دیر و حرم مجھ مست و بیخود کو ۔۔۔ مجھے تو راہ گھر کی بھی نہیں معلوم ہوتی ہے

(۲)

صحت نے تم کو خوب ابھارا ہے آجکل ۔۔۔ واللہ کیا شباب تمہارا ہے آجکل

تیرا ستم وفا سے بھی پیارا ہے آجکل ۔۔۔ دے زہر بھی مجھے تو گوارا ہے آجکل

دنیا کی راحتوں سے کنارا ہے آجکل ۔۔۔ میں ہوں اور اک خیال تمہارا ہے آجکل

دل میں بسی ہوئی ہے کوئی صورت حسیں ۔۔۔ شیشے میں اک پری کو اتارا ہے آجکل

اثر صاحب علم دوست اور خلیق ہیں۔ راقم سے غائبانہ ربط و اخلاص رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجا ہے۔ وہ بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

## کلام امرناتھ اثر

تری صورت کہ معصوم و حسیں معلوم ہوتی ہے
مجھے غارت گر ایمان و دیں معلوم ہوتی ہے

محبت بھولتی بھلتی نہیں معلوم ہوتی ہے
یہ جلوہ گاہ دل بنجر زمیں معلوم ہوتی ہے

تصور جب تمہارے گیسوئے پر خم کا آتا ہے
محبت ایک مار آستیں معلوم ہوتی ہے

تمہاری بیوفائی ہو گئی ہے نقش دل جب سے
تمہاری ہاں بھی اے ظالم نہیں معلوم ہوتی ہے

محبت فریب حسن ہی کا نام دنیا میں
تمہاری آنا صبح دلنشیں معلوم ہوتی ہے

اثر اکرے گئی ہے ہائے جو صبر و سکوں جیسے
تمہاری ہی نگاہِ دلنشیں معلوم ہوتی ہے

ہمارے خانۂ دل سے کبھی باہر نہیں جاتی
تمہاری یاد بھی پردہ نشیں معلوم ہوتی ہے

تمہارا ہی تصور ہے بہل جاتا ہے جی جس سے
وگرنہ زندگی اندوہگیں معلوم ہوتی ہے

تمہارے حسن رنگیں میں کشش ہی اور ہے ورنہ
مجھے ہر چیز دنیا کی حسیں معلوم ہوتی ہے

محبت کی دہکیں مارتے ہوئے جہاں والو
ذرا دل ڈھونڈ کر دیکھو کہیں معلوم ہوتی ہے

ملیں گے کیا اثر دیر و حرم مجھ مست و بیخود کو
مجھے تو راہ گھر کی بھی نہیں معلوم ہوتی ہے

(۲)

صحت نے تم کو خوب ابھارا ہے آجکل
واللہ کیا شباب تمہارا ہے آجکل

تیرا ستم وفا سے بھی پیارا ہے آجکل
دے زہر بھی مجھے تو گوارا ہے آجکل

دنیا کی راحتوں سے کنارا ہے آجکل
میں ہوں اور اک خیال تمہارا ہے آجکل

دل میں بسی ہوئی ہے کوئی صورت حسیں
شیشے میں اک پری کو اتارا ہے آجکل

دل جس میں میری آرزوؤں کی بھی دوڑ تھی
ملکیت بتانِ خود آرا ہے آجکل

کچھ کچھ بچی کھچی سی امیدوں کے ساتھ ساتھ
غم نے بھی دل میں پیر پسارا ہے آجکل

تم کو اگر ہماری محبت سے عار ہے
ہم نے بھی اپنے نفس کو مارا ہے آجکل

تیرا اگر یہی ہے تغافل تو پھر بتا
تیرے بغیر کون ہمارا ہے آجکل

اے دل زمین عشق پہ رکھ پھونک کر قدم
دنیا کا ذرہ ذرہ شرارا ہے آجکل

دعوت کسی عزیز کی قسمت میں کب اثر
ہوٹل کی روٹیوں پہ گزارا ہے آجکل

(۳)

کدورت ہی تو صلح و آشتی سے کچھ نہیں ہوتا
عقیدت اٹھ گئی تو بندگی سے کچھ نہیں ہوتا

دل ناکام اگر ہمت وری سے کچھ نہیں ہوتا
تو پھر دن رات کی نوحہ گری سے کچھ نہیں ہوتا

دل آرائی نہیں ہے دل دہی سے کچھ نہیں ہوتا
وفائیں رو رہی ہیں آدمی سے کچھ نہیں ہوتا

جہاں والوں کے کچھ ناز و ستم بھی سہنے پڑتے ہیں
یہ دنیا ہے یہاں یکی خوشی سے کچھ نہیں ہوتا

جہاں پر فیض حاصل ہو پڑا رہ بس اسی در پہ
دل وحشت زدہ آوارگی سے کچھ نہیں ہوتا

علاج کلفت دنیا مداوائے غم دوراں
خدا کر دے تو کر دے آدمی سے کچھ نہیں ہوتا

نہ ہو غمگیں اثر اہل جہاں کی بے وفائی پر
مسرت سے بسر کر لے غمی سے کچھ نہیں ہوتا

(۴)

میں زندگی کے سہارے تلاش کرتا ہوں
تری نظر کے اشارے تلاش کرتا ہوں

نہ گر پڑے ہوں خجالت سے دیکھ کر تجھکو
زمیں پہ چاند ستارے تلاش کرتا ہوں

کنار جو ہو، شب مہ ہو، تو ہو اور میں ہوں
وہ دلفریب نظارے تلاش کرتا ہوں

نجانے کون سے گوشے میں پڑے ہونگے
ترے فراق کے مارے تلاش کرتا ہوں

وہ شوق دل جو تجھے عجز و انکسار کیا تھا
حضور کہہ کے پکارے تلاش کرتا ہوں

دل حزیں تو بھی غمگسار رہتے تھے — کہاں ہیں دوست تمہارے تلاش کرتا ہوں
خدا ہی پار لگا دیگا اے اثرؔ کہ ہے اب — بھنور میں ناؤ کنارے تلاش کرتا ہوں

(۵)

غمِ الفت کو بھی محبوب جاں کہنا ہی پڑتا ہے — بساطِ داغِ دل کو گلستاں کہنا ہی پڑتا ہے
کسی بے مہر کو جب مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے — تو دل کا قتل ہے اور الاماں کہنا ہی پڑتا ہے
مقدر کی خرابی ہو کہ ہمت کی ہو ناکامی — بہر صورت جفائے آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
نگاہِ یار تو نے رازِ دل کے کھد دئے کیا کیا — تری چشمک کو اندازِ بیاں کہنا ہی پڑتا ہے
سوالِ دوست پر اندیشۂ ترکِ محبت سے — نہیں کہنے کی حالت میں بھی ہاں کہنا ہی پڑتا ہے
مری تقدیر تجھ پر منحصر ٹھہری تو پھر تجھکو — خدا اک اور زیرِ آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
محبت موجزن ہے اور امنگوں میں تلاطم ہے — ہمارے دل کو بحرِ بیکراں کہنا ہی پڑتا ہے
دیا پیامِ تک تیری رسائی ہے جو ناممکن — اسے دل تیری مرگِ ناگہاں کہنا ہی پڑتا ہے
اثرؔ اس عرصہ گاہِ عشق میں دیکھے ہیں نے جوہر — ضعیفی میں تجھے آخر جواں کہنا ہی پڑتا ہے

(۶)

معدوم ہوئے جاتے ہیں اب تاب و تواں اور — کچھ گل نہ کھلائے کہیں یہ دردِ نہاں اور
گھل گھل کے ترے غم میں ہوا جی کا زیاں اور — جب تو ہی نہ پوچھے تو بھلا جاؤں کہاں اور
ہے دل کی زباں اور دہن کی ہے زباں اور — پھر تو ہی بتا کیوں نہ بڑھے بدگماں اور
یوں تو ہیں زمانے میں بہت تجھ سے جواں اور — جو شانِ تجمل ہے تری ہے وہ کہاں اور
اے صبر تجھے صبر پڑے میری فغاں کا — کچھ روز تو رہنے دے مجھے محوِ فغاں اور
دل گردشِ ایام سے پس پس کے ہوا خاک — اب خاک اڑاتے ہو اڑاؤ مری جاں اور
شا کر ہے ترا بزم میں گھر پر زرا شاکی — ہے فطرتِ دل خوب یہاں اور وہاں اور

ہم جنتِ واعظ کی حقیقت سے ہوں منکر — مل جائے اگر تیرے محلے میں مکاں اور
اس دورِ ضعیفی میں اثرؔ لاج بچانا — یہ اور زمانہ ہے یہ دل اور یہاں اور

(۷)

رات یادِ بتِ بے پیر بہت خوب رہی — دردِ دل تھم گیا اکسیر بہت خوب رہی
داغہائے غمِ الفت کے کرم سے دل میں — رونقِ گلشنِ کشمیر بہت خوب رہی
میں بھی جیتا رہا دنیا میں بہ امید کرم — اک اندھیرے میں یہ تنویر بہت خوب رہی
موت آئی تو غمِ دہر سے جاں بھی چھوٹی — خوابِ ہستی کی یہ تعبیر بہت خوب رہی
ناصحا ثبت ہے دل پہ تری باتوں کا فریب — پائے مجنوں کو یہ زنجیر بہت خوب رہی
شغلِ احباب ہا کعبۂ دل کی تخریب — مجھکو اک حسرتِ تعمیر بہت خوب رہی
چپکے چپکے ہوئیں باتیں بھی نہ بار بھی نصیب — شکریہ آپ کی تصویر بہت خوب رہی
وہ ترا طرزِ تکلم وہ ترا جوشِ اثرؔ — سرِ محفل تری تقریر بہت خوب رہی

تضمین بر غزلِ غالبؔ

چارہ سازی کو مسیحا زماں آ ہی گئے کیا — شدتِ درد و الم سے ہم شفا پا ہی گئے کیا
اقربا مرے دلِ مضطر کو بہلا ہی گئے کیا — دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

ہم جئیں گے اس طرح مایوس ہو کر کب تلک — غم اٹھاتی ہی رہے گی جانِ مضطر کب تلک
آپ کی نظرِ کرم ہوگی نہ ہم پر کب تلک — بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

کیا مناسب ہے تری تقسیم اللہ واہ واہ — دل دیا اک، غم ہزاروں کس طرح ہوگا نباہ
بس چکی ہے اب تو رگ رگ میں محبت دلِ چاہ — حضرتِ ناصح گر آویں دیدہ و دل فرشِ راہ

خوش حالی اور تمول کے باوجود ناشاد فقیر دل شخصیت رکھتے تھے۔ غریبوں سے خاص انس اور ہمدردی رکھتے تھے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ ۱۴ر جون ۱۹۴۲ء کو قلبی عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ مطبوعہ مجموعہ کلام موسوم بہ نالۂ ناشاد میں ان کی ۱۵۴ نظمیں ہیں۔ ہر ایک سے ان کا صوفیانہ پن نمایاں ہے بطور نمونہ ان کی نظم نیا عبادت خانہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

## نیا عبادت خانہ

مل کر بنائیں ایسا اک خانۂ عبادت — مندر نما ہو لیکن مسجد کی طرح کا ہو
مرلی کی دھن چھڑی ہو آوازہ ہو اذاں کی — چرچا پجاریوں میں قرآن و وید کا ہو
اک جام میں پڑا ہو تھوڑا سا آبِ زمزم — اس آب میں ذرا سا گنگا کا جل ملا ہو
پی پی کے جام الفت وہ بیخودی ہو طاری — ہر ایک کی زباں پر وحدت کا تذکرہ ہو
اپنے صنم کدہ میں بت ہوں نئی طرح کے — جن کے لبوں پہ ہر دم توحید کی صدا ہو
آپس کا بیر چھوڑیں باز آئیں دشمنی سے — یہ ہو نثار دل سے وہ جان سے فدا ہو
دھو دھو کے ہم مٹا دیں آب یگانگی سے — گر لوح دل پہ اپنے حرف دوئی لکھا ہو
مذہب ہو اپنا ایسا جس سے ہر ایک دل میں — عزت ہو دیوتا کی تعظیم انبیا ہو
مٹ جائے کفر و دیں کا جھگڑا جہاں سے یا رب — ناشاد کی زباں پر ہر وقت یہ دعا ہو

---



اپنے والد مرحوم کے کلام کا مجموعہ طبع کرایا ہے جو ڈاکٹر سید محمود صاحب کی تقریظ اور پروفیسر عبد المنان بیدل کے مقدمہ کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ ناشاد اردو کے ان شعرا میں تھے جن پر ہندوستان بہت کچھ فخر کر سکتا ہے۔ بڑے ذی علم صوفی منش شاعر تھے۔ ۱۸۸۱ء میں راہوں ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ۱۹۰۳ء میں لاہور کے گورنمنٹ کالج سے انگریزی زبان و ادب میں ڈگری حاصل کی اور یونیورسٹی کے تمام طلبا میں اول رہے کچھ عرصہ کے بعد لاہور کالج میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں آکسفورڈ جا کر فن تاریخ کی تکمیل کی اور ہندوستان واپس آکر لاہور کے سناتن دھرم کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حکومت نے ان کو ایجوکیشنل سروس میں لے لیا اور ریونشا کالج کٹک میں پروفیسر مقرر کیا اس وقت اڑیسہ صوبہ بہار میں شامل تھا گورنمنٹ نے ۱۹۱۷ء میں کٹک سے تبدیل کر کے جی بی بی کالج مظفر پور میں پہلے نائب پرنسپل پھر پرنسپل کے عہدہ پر بحال کیا پھر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۳ء تک ٹی۔ ان۔ جے کالج بھاگلپور کے پرنسپل رہے لیکن اس کے بعد دوسرے سال پٹنہ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ لیکن ان کو مظفر پور کا ماحول بہت مرغوب تھا اسلئے ایک سال کے بعد پھر مظفر پور واپس گئے۔ تاریخ میں ان کی تصنیف "سلاطین و رؤسائے مغلیہ" ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ ملازمت ہی کے زمانہ میں گورنمنٹ کی اجازت لیکر انہوں نے دو بار انگلینڈ کا سفر کیا اول ۱۹۱۶ء میں مہاراجہ پٹیالہ کے پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے وار کانفرنس میں شرکت کی اور پھر ۱۹۲۶ء میں مہاراجہ الور کے پرائیوٹ سکریٹری ہو کر انگلینڈ کی سیر کی۔

خوش حالی اور تمول کے باوجود ناشاد فقیر دل شخصیت رکھتے
تھے۔ غریبوں سے خاص انس اور ہمدردی رکھتے تھے اور حاجت مندوں کی
حاجت روائی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ ۱۴ جون ۱۹۴۲ء کو قلبی عارضہ
میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ مطبوعہ مجموعہ کلام موسوم بہ نالۂ ناشاد میں ان کی
۴۵ نظمیں ہیں۔ ہر ایک سے ان کا صوفیانہ پن نمایاں ہے بطور نمونہ ان کی
نظم نیا عبادت خانہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

نیا عبادت خانہ

ملکر بنائیں ایسا اک خانۂ عبادت — مندر نما ہو لیکن مسجد کی طرح کا ہو
مرلی کی دھن چھڑی ہو آواز ہو اذاں کی — چرچا پجاریوں میں قرآن و وید کا ہو
اک جام میں پڑا ہو تھوڑا سا آب زمزم — اس آب میں ذرا سا گنگا کا جل ملا ہو
پی پی کے جام الفت وہ بیخودی ہو طاری — ہر ایک کی زباں پر وحدت کا تذکرہ ہو
اپنے صنم کدہ میں بت ہو کوئی طرح کے — جن کے لبوں پہ ہر دم توحید کی صدا ہو
آپس کا بیر چھوڑیں باز آئیں دشمنی سے — یہ ہو نثار دل سے وہ جان سے فدا ہو
دھو دھو کے ہم مٹادیں آب یگانگی سے — گر لوح دل پہ اپنے حرف دوئی لکھا ہو
مذہب ہو اپنا ایسا جس سے ہر ایک دل میں — عزت ہو دیوتا کی تعظیم انبیا ہو
مٹ جائے کفر و دیں کا جھگڑا جہاں سے یارب — ناشاد کی زباں پر ہر وقت یہ دعا ہو

---

## دور حاضر

(۱۱۹) گلو آرا۔ بابو رامیشور پرشاد ایڈوکیٹ ڈپٹی میئر و مجسٹریٹ
فرسٹ کلاس۔ عظیم آباد کے ہر دل عزیز رئیس اور دور حاضر کے خوشگو
شعرا میں ہیں۔ اردو زبان اور شاعری سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ رسالہ
یاران میکدہ مرتبہ محمود علی خاں صاحب صبا میں مجھے ان کے خود نوشتہ
حالات اور غزلیں مل گئیں اسلئے انہیں کو بجنسہ اس مقام پر نقل کرنا مناسب
معلوم ہوا چنانچہ لکھتے ہیں:-

"یاران میکدہ کے مرتب جو مرے بچپنے کے ساتھی اور دوست ہیں
ان کا اصرار ہے کہ میں اپنے سوانح حیات مختصر الفاظ میں لکھکر اشاعت
کے لئے دوں۔ ان کے اصرار میں اتنا گہرا خلوص ہے کہ میں انکار کی جرأت نہیں
کر سکتا۔ یہ چند سطریں ان کے حکم کی تعمیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاید
ان میں میری حیات کے کچھ نقوش نظر آئیں۔"

" میں اپنے جدی مکان گلو آرا ہاؤس واقع محلہ مچھرہٹہ پٹنہ سیٹی
میں ۱۲ مارچ ۱۹۰۹ء کو پیدا ہوا۔ میرے بابوجی مہری بشنو ناتھ پرشاد
عرف بسو بابو آنجہانی ایک کامیاب تاجر تھے مگر زمانہ کی رفتار کو دیکھتے
ہوئے انہوں نے مجکو انگریزی تعلیم دینا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء
میں محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سیٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے
بعد بابوجی کی دلی خواہش کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے بی۔ اے اور

# غزل

تم رنگ دیکھنا دل دیوانہ وار کا
بس منتظر ہوں آمد فصل بہار کا

مجھ سے قفس نصیب کو کیا کام اے ندیم
موسم خزاں کا ہو کہ زمانہ بہار کا

جلتے ہیں اور بجھتے ہیں امید کے دیئے
یہ واقعہ ہے میری شب انتظار کا

عجلت یہ ہے کہ پشت ہوا پر سوار ہے
کس کی تلاش میں ہے مسافر غبار کا

مجھ سے گدا کے واسطے دامن بچھا دیا
احسان ہے یہ سایۂ دیوار یار کا

اس سے بدر جہا تھی غنیمت خزاں کی فصل
جیسا گذر رہا ہے زمانہ بہار کا

گلوارا کوئی لاکھ جفائیں کیا کرے
دامن چھٹے نہ ہاتھ سے صبر و قرار کا

## غزل

زمیں بھی مجھ سے خفا ہے خوش آسماں بھی نہیں
مرے لئے تو کہیں گوشۂ اماں بھی نہیں

خدا برا کرے وحشت کا دشت ہو کہ چمن
قرار دل کو یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں

کچل دی آ کے جنس وفا یہ انا ہوا
اب اس جہاں میں کوئی اس کا قدرداں بھی نہیں

یہ کیا ہے پھر جو دو رنگی نہیں زمانہ کی
کہ فصل گل بھی نہیں موسم خزاں بھی نہیں

اسی پہ کیوں ہے نظر برق کی خدا جانے
بہت بلند مری شاخ آشیاں بھی نہیں

جنونِ عشق میں سب کچھ بھلا دیا ناصح



بس انتہا ہے کہ یاد اپنی داستاں بھی نہیں

رہِ خلوص سے باز آؤں کیوں میں گلوارا
مجھے کچھ اس میں تو اندیشۂ زیاں بھی نہیں

---

بخشیں نہ پھر ہم آپ کو شکوہ اگر کریں
بہلا ہے یہ قصور لبس اب درگذر کریں

ناصح تو نا آشنا ہے محبت ہے کچھ نہ پوچھ
کیونکر بیان لذتِ دردِ جگر کریں

الفت تو ایک جذبۂ فطری کا نام ہے
پھر عیب کیا چھپائے رہیں مشتہر کریں

منزل کی جستجو میں یہ جذبہ بھی ہے شریک
کانٹوں سے پاک و صاف تری رہگذر کریں

اس دور میں ہو گیا تنگ جوہری کی قدر
طے جس میں کور قیمت لعل و گہر کریں

سو تجربوں پہ بھی یہ سمجھ میں نہ آ سکا
کیوں اعتبارِ وعدۂ شام و سحر کریں

گلوارا کچھ برا تو نہیں یہ ترا خیال
جو کام ہم کریں وہ سمجھ بوجھ کر کریں

---

مجھے ہے نالہ و آہ و فغاں سے کام ابھی
زبانِ شوق نے خوش دلی کا نام ابھی

زبانِ شوق نے گو لاکھ اختصار کیا
مگر ادا نہ ہوا حاصل کلام ابھی

اٹھا وہ ابر سیہ میکدے سے جا واعظ
کہ رند کرتے ہیں تیرا کچھ احترام ابھی

مری حکایت دل سن کے وہ یہ کہتے ہیں
ہمیں تمہاری صداقت میں ہے کلام ابھی

بس آج ہو گئے ہم نازِ حسن کے قائل
کہ منتوں سے بھی نکلا نہ کوئی کام ابھی

جو کرنا چاہتے ہو کل وہ آج ہی کر لو
ضرورت آج ہو جس کی کرو وہ کام ابھی

بنا دلیش کو پھر رام راج گلوارا
تم اپنے آہوئے دل کو تو کر لو رام ابھی

---

زاہد نہیں کہ سجدۂ صد دانہ چاہیئے
ہوں رند مجھ کو نعرۂ مستانہ چاہیئے

گل چاہیئے نہ گلشن و ویرانہ چاہیئے
رندوں کو ایک محفل رندانہ چاہیئے

سجدے ہیں بے نیاز مرے سنگ و خشت سے
مجھکو تو روح کعبہ و بتخانہ چاہیئے

بس انتہا ہے کہ یاد اپنی داستاں بھی نہیں

رہِ خلوص سے باز آؤں کیوں میں گلوآرا
مجھے کچھ اس میں تو اندیشۂ زیاں بھی نہیں

---

بخشیں نہ پھر ہم آپ کو شکوہ اگر کریں — پہلا ہے یہ قصور کہ بس اب درگذر کریں
ناصح تو ناشناسِ محبت ہے کچھ نہ پوچھ — کیونکر بیان لذتِ دردِ جگر کریں
الفت تو ایک جذبۂ فطری کا نام ہے — پھر عیب کیا چھپائے رہیں مشتہر کریں
منزل کی جستجو میں یہ جذبہ بھی ہے شریک — کانٹوں سے پاک و صاف تری رہگذر کریں
اس دور میں ہو کیا نگہِ جوہری کی قدر — طے جس میں کور قیمتِ لعل و گہر کریں
سو تجربوں پہ بھی یہ سمجھ میں نہ آسکا — کیوں اعتبارِ وعدۂ شام و سحر کریں
گلوآرا کچھ برا تو نہیں یہ ترا خیال — جو کام ہم کریں وہ سمجھ بوجھ کر کریں

---

مجھے ہے نالہ و آہ و فغاں سے کام ابھی — زبانِ شوق نہ لے خوش دلی کا نام ابھی
زبانِ شوق نے گو لاکھ اختصار کیا — مگر ادا نہ ہوا حاصلِ کلام ابھی
اٹھا وہ ابرِ سیہ میکدے سے جا واعظ — کہ رند کرتے ہیں تیرا کچھ احترام ابھی
مری حکایتِ دل سن کے وہ یہ کہتے ہیں — ہمیں تمہاری صداقت میں ہے کلام ابھی
بس آج ہو گئے ہم نازِ حسن کے قائل — کہ منتوں سے بھی نکلا نہ کوئی کام ابھی
جو کرنا چاہتے ہو کل وہ آج ہی کر لو — ضرورت آج ہو جس کی کرو وہ کام ابھی
بنانا دیش کو پھر رام راج گلوآرا — تم اپنے آہوئے دل کو تو کر لو رام ابھی

---

زاہد نہیں کہ سبحۂ صد دانہ چاہیے — ہوں رند مجھ کو نعرۂ مستانہ چاہیے
گل چاہیے نہ گلشن و ویرانہ چاہیے — رندوں کو ایک محفلِ رندانہ چاہیے
سجدے ہیں بے نیاز مرے سنگ و خشت سے — مجھ کو تو روحِ کعبہ و بتخانہ چاہیے
کیا لطف اگر یہاں بھی رہے رسمِ امتیاز — ساقی سبھوں پہ دادِ میخانہ چاہیے
دولت سمیٹ کر کوئی بنتا نہیں شریف — انساں کو رکھ رکھاؤ شریفانہ چاہیے
کہتے ہیں وہ ہم آئیں جو پوری ہو ایک شرط — دل تیرا انتظار سے بیگانہ چاہیے
شمعِ مراد تک نہیں کچھ دسترس محال — بازو میں طاقتِ پروانہ چاہیے
کوئی جنوں نواز ہے کوئی خرد پسند — گلوآرا تجھ کو ان سے الجھنا نہ چاہیے

(۱۲۱) رائے۔ رائے گوپال کرشن صاحب بی۔ اے۔ رئیس عظیم آباد ساکن محلہ مینتن گھاٹ۔ سنہ ولادت ۱۸۹۷ء ہے۔ راجہ خیالی رام کے ورثا میں ہیں۔ انگریزی میں فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ فارسی اور اردو بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اردو شاعری کا شوق سن شعور سے ہے سیاسی اور سماجی تحریکوں سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ابتدا میں شاید کچھ کلام میر محمد باقر۔ باقر عظیم آبادی تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی کو بھی دکھایا تھا لیکن شاعری میں باقاعدہ اصلاح سخن نہیں لی۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اپنا کلام کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے جس کا نام مومنٹس ودھ رائے گوپال کرشنا ہے (MOMENTS WITH RAI GOPAL KRISHNA) یہ کتاب انگریزی اور ہندی میں ہے۔ ابتدا میں ان کی تصویر ہے۔ اس کے بعد انگریزی میں انتساب، مقدمہ کتاب اور آزادیٔ ہند کو خراجِ عقیدت اور مہاتما گاندھی کی موت پر اظہار تاسف کے مضامین کے بعد دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتباری کے متعلق میر انیس کے مراثی کے کچھ بند اور اسی طرح دوسرے مشاہیر شعرا کے مختلف اشعار جن میں فارسی اشعار سعدی شیرازی کے بھی ہیں ہندی یعنی دیوناگری

رسم الخط میں شایع کیا ہے اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ بعد میں خود اپنا اردو کلام بھی دیوناگری حروف میں درج کیا ہے اور آخر میں اپنے بعض خطوط جو انہوں نے مسٹر اسٹافورڈ کرپس اور ارتھر مور وغیرہ کو لکھے تھے اور ان میں ان انگریزوں کے انگریزی زبان غلط بولنے اور لکھنے پر اعتراض کئے تھے اور ان کے جوابات درج کئے ہیں اور ان کے علاوہ بعض خطوط اور بھی ہیں۔

بہرکیف بہار میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی اور اردو کلام کو دیوناگری میں شایع کیا ہے۔ یہ کس جذبہ کے تحت ہے راقم کو معلوم نہیں لیکن اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انگریزی تراجم ان کے اردو بندشوں سے بہتر ہیں۔ مصنف نے بقول خود مشرقی خیالات کو گلدستہ کی صورت میں اہل مغرب کے سامنے پیش کیا ہے۔ لیکن اگر ساری کتاب انگریزی میں ہوتی تو اہل مغرب کے مطالعہ کے لئے مناسب ہوتی کیونکہ اہل مغرب ہندی رسم الخط سے کمتر واقف ہیں۔ ان کا کلام جو ہندی رسم الخط میں ہے بطور نمونہ اردو رسم الخط میں درج کیا جاتا ہے۔

صفحہ ۲۵ ابتسا لڑائی

چکبست کے طرز پر

جھتا باندھے ہوئے جرار وطن جاتے ہیں | کچھ نئی شان سے جاں بازکہن جاتے ہیں
ہم نہ ماریں گے کبھی کرکے یہ رن جاتے ہیں | بدلے تلوار کے وہ باندھے کفن جاتے ہیں

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا پھرتی ہے
آہ مظلوموں میں بھی رائے عجب نکلتی ہے

انکی رگ رگ میں ہے پہونچا کے چلن | رن کا میدان ہے ان کے لئے ماں کا دامن
عرصہ جنگ کی موت ان کو ہے اک شب کی دلہن | مرکے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

رن کے میدان سے پس پا ہوں یہ ہے طور نہیں
مادر ہند کے بچے ہیں کوئی اور نہیں

ہاں دلیران وطن دھاک بٹھا کر آنا | طنطنہ دشمن خودبیں کا مٹا کر آنا
آپ سے بھی نہیں ڈرنے یہ جتا کر آنا | ندیاں خون کی تم اپنے بہا کر آنا

یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لئے
ناو تلوار کی ہے پار لگانے کے لئے

جابجا نصب بصد شان کئے قومی علم | اور حفاظت بھی کی ایسی کہ نہ ہونے دیا خم
واہ شاباش کی تم نے نہیں تا آخر دم | وار ان پر کیا گو تم پہ ہوئے جور و ستم

ایک سے ایک ہیں بڑھ بڑھ کے یہاں مردوں
نام ہے قوم کا ان کی ہی بدولت روشن

اسی سن میں کہ جوانی کا ہوا ہے آغاز | حل کیا تم نے تیاگ اور اہنسا کا راز
ظلم پہ ظلم سہے پر نہیں آئے تم باز | رہ گئے دنگ جنہیں ظلم و ستم پہ تھا ناز

جیتا ہے اپنے لئے وہ بدتر از مردہ ہے
مرنا اوروں کی خاطر وہی پائندہ ہے

سنہ ۱۹۳۴ء کا بھوکمپ

جب ہزار نہ صد سی و چہار پر | سنہ عیسوی کا پہونچا ہوا ہند منتشر
دوشنبہ پندرہ جنوری کو وقت سہ پہر | صوبہ میں زلزلے کا ہوا قہر ایشور
یوں مبتلا تو اس میں ہے ہندوستان بھر | لیکن بہار ہو گیا مغضوب خاص کر

ہوا بہتی ہو جس جانب اسی جانب کو رُد کر دے

تمہیں چاہیے تمہارے چاہنے والے کو بھی چاہے
کہو کس طرح کوئی اپنے دل کو دوں سے دور کر دے

خدا محفوظ رکھے چتونوں سے ان حسینوں کی
عجب کیا جو نیا محشر نگاہِ ماہ رو کر دے

ڈرا کرتے ہیں فہمیدہ تلون سے زمانے کے
کبھی عزت یہ بخشے اور کبھی بے آبرو کر دے

بہت ہشیار اس پیر فلک کی چال بازی سے
یہ وہ موذی ہے جو بھائی کو بھائی کا عدو کر دے

کوئی بھی کار مشکل اس کی قدرت کے نہیں باہر
بس اک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ قطرہ کو وہ جو کر دے

بہ مے سجادہ رنگیں کن چو ایں تو لیست حافظ را
چہ خوش بودے اگر تو از مے گل گوں وضو کر دے

نہیں غیبت سے بڑھ کر کوئی خوئے بد ہے انساں میں
شکایت جس سے ہو اسے رائے اس کے روبرو کر دے

مشاعرہ بتاریخ ۸ اگست ۱۹۵۴ء بمقام محمڈن اسکول

مصرعہ طرح — شوق فضول و جرات رندانہ چاہیے

کعبہ نہ چاہیے نہ صنم خانہ چاہیے — ہم مے گسار ہیں ہمیں میخانہ چاہیے
بیکار جی کے صرفہ ہیں اس کے لئے تو بس — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے
جھیلے مصیبتیں نہ کبھی اُف زباں پہ لائے — اس کے لئے تو ہمت مردانہ چاہیے



فیشن کا ہو تقاضا ہر اک سے یہ آجکل — نکٹائی کوٹ پینٹ و یکسانہ چاہیے
دنیا کی کائنات سے رندوں کو کیا غرض — ان کو تو مے و مینا و پیمانہ چاہیے
دے دے زکات حسن کی اے بادشاہ حسن — آیا ہوں تیرے در پہ فقیرانہ چاہیے
کیا پوچھتے ہو آئے سے ہوش و خرد کی بات — عاشق کو ہو نہ تیرے تو دیوانہ چاہیے

راشٹرپتی راجندر پرشاد کے پرتی۔

ثمو ہا ہندوائے اور بہاری خاک میں شاد — کہ بیٹھے تخت دہلی پر ہمارے ڈاکٹر پرشاد
ہے انکو مرحبا صد مرحبا لاکھوں مبارکباد — بٹھا کر ہاتھ بھارت کو غلامی سے کیا آزاد
کیا وہ ذات کھٹا دشمن خود ہیں کا لڑنے میں — کہ بھولے گی قیامت تک کبھی اسکو نہ انکی یاد
ہوئی دنیا کے کونے کونے میں شہرت بلند انکی — چھیتیں سے کے جو زلزلہ میں ان نے کی امداد
وہ منتر ان نے پھونکا دہر میں تیاگ و اہنسا کا — لرز جائے جو سن کے نام بھی اس کا ستم ایجاد
بہت ایثار کر کے ہے کیا امن و اماں قائم — مٹایا صفحۂ ہستی سے نام جور و بیداد
چنے جاتے نہ کیوں یہ پریسیڈنٹ آف انڈیا دوبارہ — کہ یہ ثابت ہوئے ہیں سب سے اولیٰ ہند کی اولاد
یہی انکی تمنا ہے یہی ہے مدعا ان کا — نہ رہنے پائے بھارت میں کوئی بھی خستہ و ناشاد
یتیم و بیوہ کتنے ان کے ہیں مرہون منت کش — نہ جانے کتنی اجڑی بستیاں ان نے ہیں کیں آباد
نہ کیونکر ہم کا ان کے ہمیشہ کامیابی ہو — کیا پایا ان نے گاندھی جی کے ایسا باکمال استاد
جو سمجھا فرض تھا اپنا اسے اس نے کیا پورا — نہیں اس کے لئے ہے رائے ہرگز خواہش داد

## کشمیر کی جھلک

جو براج

ہے دُر دریا صفت جو جو براج ہے — یہ جو براجوں میں سرتاج ہے
نہ ہو کر ورانتی میں ہیں دوش سے — یہ پہنے ہوئے پریم کا تاج ہے

## بخشی سیاست

نام وزیر اعلیٰ سری بخشی غلام ہے — رکھنا پرجا کو شادیہی ان کا کام ہے
سستی ہے یاں پہ آئے امن و امان ہے — جب سے یہ آئے ایسا ہی یاں کا نظام ہے

## اہل سری نگر

جو لوگ سری نگر کے ہیں بے حد خلیق ہیں — مہمان نواز ہیں لیے لایق لئیق ہیں
رکھتے ہیں دوستی یہ ہر اک خاص و عام سے — ہیں پریم کی یہ مورتی غایت شفیق ہیں

## کیسر کے کھیت و تیرتے کھیت

کھیت کیسر کے یہاں پر تو نسے دیدنی ہیں — لوگ کہتے ہیں کہ یہ باعث خندیدن ہیں
تیرتے کھیت بھی ہیں یاں پہ کئی پانی میں — کہہ سکے جن کو نہ محفوظ زد زدین ہیں

## ہاؤس بوٹس

ڈل اک جھیل ہے جہاں چلتا مکان ہے — ہے ڈھنگ انوکھا ان کا نرالی ہی شان ہے
راحت کے ان میں سامان مہیا ہیں رات کو — تعریف ہاؤس بوٹس بیرون از بیان ہے

## امیرا کدل

امیرا کدل ایک پل ہے یہاں — ہے جہلم ندی اس کے نیچے رواں
گرد و وارا سکھوں کا اک پاس ہے — اور بازار بھی ہے یہاں اک کلاں

## چشمہ شاہی

چشمہ شاہی ہے نام اس کا — ہضم کرنا ہے کام اس کا
بادہ ہو گر نہیں میسر — پی لو بھر کر کے جام اس کا

## نشاط باغ

نازِ سری نگر یہی باغ نشاط ہے — دیتا یہ خاص و عام کو انبساط ہے

تشبیہ دوں جو مہروش حوران خلد کی — تو اس میں ہیں پہ ان کے لئے یہ بساط ہے

## شالی مار

نور جہاں کا باغ یہی شالی مار ہے — تعمیر کی وجہ زن و شو کا پیار ہے
باد سموم کا نہیں ہوتا یہاں گذر — فصل خزاں میں بھی یہاں لطف بہار ہے

## ہرون جھیل

یاں پر اک جھیل کو موسوم بہ ہرون دیکھا — نیچے اک سوتا سا بہتا ہوا روشن دیکھا
مثل آئینہ کے شفاف تھا اس کا پانی — یا کہوں گویا کہ بہتا ہوا درپن دیکھا

## پہل گام

پہل گام سچ فخر کشمیر ہے — پہاڑوں میں اے دل آئے یہ میر ہے
لدار اک ندی بہتی ہے بیچ سے — روانی میں یہ مثل اک تیر ہے

## گل مرگ

سنا ہے کہ گل مرگ ہے لاجواب — مرے واسطے یہ رہا مثل خواب
جو پائی خبر ڈاکے کی اپنے گھر — بنا دیکھے لوٹا میں پٹنہ شتاب

(۱۲۲) رنگین — تخلص اور منشی چھیدن لال نام محلہ مرار پور گیا میں رہتے تھے شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم نے اپنے منشی ملک عبدالکریم مرحوم کے بعد ان کو ملازم رکھا تھا۔ ذی علم، خوشگو اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ نواب صاحب مرحوم کے ہاں روزانہ صبح کے آٹھ بجے حاضر ہو کر ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سارا وقت کتب بینی اور شعر و شاعری میں گزارتے تھے یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے اس وقت ان کی شاعری کی ابتدا تھی۔ اردو کے علاوہ فارسی کی استعداد

تشبیہ دل جو مہروں کی حوران خلد کی
تو اس میں ہیں یہ ان کے لئے یہ بساط ہے

## شالی مار

نورجہاں کا باغ یہی شالی مار ہے
تعمیر کی وجہ زن وشو کا پیار ہے
باد صموم کا نہیں ہوتا یہاں گذر
فصل خزاں میں بھی یہاں لطف بہار ہے

## ہرون جھیل

یاں پر اک جھیل کو موسوم بہ ہرون دیکھا
نیچے اک سوتا سا بہتا ہوا روشن دیکھا
مثل آئینہ کے شفاف تھا اس کا پانی
یا کہوں گویا کہ بہتا ہوا درپن دیکھا

## پہل گام

پہل گام سچ فخر کشمیر ہے
پہاڑوں میں لے دے کے یہ میر ہے
لدار اک ندی بہتی ہے بیچ سے
روانی میں یہ مثل اک تیر ہے

## گل مرگ

سنا ہے کہ گل مرگ ہے لاجواب
مرے واسطے یہ رہا مثل خواب
جو پائی خبر ڈاکے کی اپنے گھر
بنا دیکھے لوٹا میں پٹنہ شتاب

(۱۲۲) رنگیں۔ تخلص اور منشی چھیدن لال نام محلہ مرار پور گیا میں رہتے تھے شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم نے اپنے منشی ملک عبدالکریم مرحوم کے بعد ان کو ملازم رکھا تھا۔ ذی علم، خوشگو اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ نواب صاحب مرحوم کے ہاں روزانہ صبح کے آٹھ بجے حاضر ہو کر ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سارا وقت کتب بینی اور شعر و شاعری میں گزارتے تھے یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے اسی وقت ان کی شاعری کی ابتدا تھی۔ اردو کے علاوہ فارسی کی استعداد بھی بہت تھی۔ سکندرنامہ، قصاید عرفی، دیوان حافظ، انشاے طاہر وحید اور دفتر ابوالفضل وغیرہ وغیرہ منتہی کتب بالاستیعاب پڑھی تھیں۔ بابو اودھ کشور گشتہ گیاوی سے مشورہ سخن کرتے تھے نسباً کایستھ تھے۔ سانولے اور پست قامت آدمی تھے۔ راقم کو ان کے حالات مخلص مہربان سید عابد امام زیدی خلف شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم سے ملے جس کے لئے راقم ان کا بے حد ممنون ہے اور انہیں نے رنگیں کے تین شعر بھی لکھکر دئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں یہ اشعار خود بتاتے ہیں کہ کس قدر قابل داد ہیں۔

جو ہیں اچھی صورت پہ مرجانیوالے
وہ ہیں نام دنیا میں کرجانے والے
میں نے قسمت کی جو شکایت کی
اس میں شکوہ تو آپ کا نہ ہوا
یوں قیامت تک رہے دنیا سلامت مجکو کیا
میری دنیا ساتھ ہی میرے فنا ہوجائیگی

(۱۲۲) سنگی۔ بابو بیجناتھ سہائے ولد منشی درگا سہائے قوم کایستھ ساکن موضع خواص پور ضلع گیا پیشہ زمینداری و مختارکاری سن ولادت تخمیناً ۱۸۹۴ء۔ اردو کے علاوہ انگریزی بھی بخوبی جانتے تھے۔ خلش گیاوی کے تلامذہ میں تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

بدی کرتے ہیں کیوں اہل جہاں نیکی کے بدلے میں
سبب اس کا یہ ہے شاید زمانہ اب خراب آیا

(۱۲۳) بشر۔ تخلص اور بی ڈی مہتا نام۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ واثق دیوروی نے رسالہ خیابان میں ان کا یہ شعر شایع کیا تھا۔

نہ چلتی شاخ گل تو آشیانہ اور بن جاتا
چھڑایا گردش گردوں نے صحن گلستاں ہم سے

(۱۲۸) پروفیسر شیام نرائن لال۔ راقم اس فخر بہار شاعر و ادیب کو یو۔ پی کا باشندہ جانتا تھا لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کا آبائی وطن بکسر (صوبہ بہار) ہے۔ غلط فہمی کا سبب یہ تھا کہ ان کے والد منشی رام چندر لال اور ان کے بھائی جو بلیا اور اعظم گڈھ میں پیشکار اور سرکاری ملازم تھے وہیں قیام پزیر تھے۔ راقم کے مخلص کرم فرما ڈاکٹر سید احمد حسن پروفیسر ٹی۔ ان۔ بی کالج بھاگلپور نے یہ امر پروفیسر شیام نرائن لال آنجہانی کے صاحبزادوں یعنی بابو کرشن چند لکچرر انگریزی مارواڑی کالج بھاگلپور اور بابو ہرکشن چند لکچرر معاشیات مونگیر کالج سے تحقیق کرکے راقم کو اطلاع دی۔ ذیل میں جو حالات اور کلام درج کئے جاتے ہیں وہ بھی پروفیسر شیام نرائن لال آنجہانی کے صاحبزادوں سے حاصل کئے گئے ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ متقدمین شعرا کی طرح انھوں نے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا تھا۔

پروفیسر شیام نراین لال ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں بلیا اسکول سے مڈل کا امتحان اس امتیاز سے پاس کیا کہ پورے صوبہ میں اول آئے اور حکومت کی طرف سے مزید تعلیم کے لئے پانچ سال تک وظیفہ ملتا رہا۔ ایم۔ اے پاس کرنے سے پہلے وہ کایستھ پاٹشالہ الہ آباد میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے اور پھر آگرہ کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی قایم ہونے پر اس یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بائیس برس تک اس سے وابستہ رہکر انتقال کیا۔



شعر و ادب کا ذوق فطری تھا اور حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ قرآن مجید کی اکثر آیتیں، عمر خیام کی رباعیاں، غالب، مومن اور ذوق کے اشعار کثرت سے یاد تھے جنھیں وہ اکثر گفتگو میں برمحل استعمال کرتے تھے بارہ برس کی عمر میں وہ اقبال کے کلام سے متعارف ہوئے اور اقبال کی نظموں میں وطن پرستی کے جذبات سے ہمیشہ متاثر رہے۔ پروفیسر لال چھوت چھات اور مذہبی تنگ نظری کے سخت مخالف تھے۔ ابتدا میں بنارس یونیورسٹی میں اردو فارسی اور عربی کا شعبہ جدا گانہ نہ تھا اسلئے ان ادبیات کی تعلیم بھی انھیں کے سپرد تھی اور کئی سال تک وہ ان ادبیات کی بورڈ آف اسٹڈیز کے صدر رہے اور انگریزی شعبہ کی مصروفیت کے ساتھ ان شعبوں کے کام بھی پوری دلچسپی کے ساتھ انجام دیتے رہے بیفنو، ملٹ اور غالب پر ان کی تنقیدی تصنیفیں انگریزی اور اردو میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ طبیعت بہت ہمدرد پائی تھی۔ اکثر حاجتمند طلبا کی امداد کیا کرتے۔ ان کی عمر کے چونتیسویں سال ان کی رفیقہ حیات نے انتقال کیا۔ اس حادثہ سے وہ بارہ برس تک بے حد متاثر رہے اور سنہ ۱۹۳۸ء میں ۲۰ فروری کو رحلت کی۔ ان کی موت پر پنڈت مدن موہن مالوی نے ان کے صاحبزادے کو تعزیت کا تار دیا اور یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر راجا جوالہ پرشاد کو ان کے پس ماندگان کی اعانت کا حکم دیا۔

اب راقم ان کے وہ اشعار نقل کرتا ہے جو ڈاکٹر سید احمد حسن صاحب پروفیسر نے پروفیسر لال کے صاحبزادے سے دستیاب کرکے پروفیسر

لال کی تصویر کے ساتھ اس تذکرہ کے لئے بھیجے ہیں۔ ان اشعار کی تحسین راقم کو کچھ لکھنے کی حاجت نہیں اسلئے کہ یہ اشعار خود شاعر کی شاعرانہ عظمت کو نمایاں کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ بعض وجوہ سے تصویر اس تذکرہ میں شامل نہ ہو سکی۔

آج خود آ گئے منانے کو — زندگی مل گئی فسانے کو
گا رہا ہوں میں غم چھپانے کو — کون سمجھے مرے ترانے کو
شاخ گل ہے نہ آشیانہ ہے — پھر بھی کہتے ہو مسکرانے کو
پھونک کر آشیاں بھی دیکھ لیا — کچھ سکوں مل گیا زمانے کو
درد کیوں آج مضمحل سا ہے — کیا پتا مل گیا زمانے کو
مضمحل عزم سے سمجھ لینا — بات کیا رہ گئی بنانے کو
عمر رفتہ نے مجھکو سمجھایا — زندگی پائی ہے گنوانے کو

سنبھالے لاکھ ہم سینے میں دل کو — مگر دل پھر بھی بھر آئے تو کیا ہو
وہ سمجھاتے ہیں دیوانے کو لیکن — جو دیوانہ مچل جائے تو کیا ہو
چھپانے کو چھپا لوں اپنے آنسو — انہیں کی آنکھ بھر آئے تو کیا ہو
یہ چپکے چپکے تنہائی میں رونا — کوئی ایسے میں آ جائے تو کیا ہو
متاع زیست اپنا غم ہے لیکن — جو یہ دولت بھی چھن جائے تو کیا ہو
نظر اٹھی ہے میخانہ لٹے پھر — جو پیمانہ چھلک جائے تو کیا ہو
بہاروں میں مری صحرا نوردی — طبیعت خود بہل جائے تو کیا ہو
ستانے کو سنا دوں قصۂ غم — نہ ان کو گر یقیں آئے تو کیا ہو
شب فرقت ہے اور ان کا تصور — سحر چپکے سے آ جائے تو کیا ہو



امنڈ کر کچھ آنسو تو آنکھوں میں آئے — کچھ ایسا ہوا کہ برسنے نہ پائے
مرے آنسوؤں کو علاقہ ہے غم سے — مسرت کے موتی نہ میں نے لٹائے
کسی کو مصیبت میں روتے جو دیکھا — مجھے اپنے دامانِ نم یاد آئے
ترا غم مرے واسطے زینتِ دل — جو رونا بھی چاہا تو آنسو نہ آئے
یہ کیسے بتائیں یہ کیونکر بتائیں — کہ کیوں ہم کو مدت ہوئی مسکرائے
وہ وقتِ وداع اسکی آنکھوں میں آنسو — میں کیونکر بھلاؤں بھلایا نہ جائے
یہاں تک تو پہونچی تڑپ زندگی کی — اجل مجھ سے خود اپنا دامن بچائے
میں وہ نامرادِ محبت ہوں ہمدم — پہونچکر جو منزل پہ منزل نہ پائے
مری زندگی بن گئی اک معمہ — مسرت میں بھی مجھکو غم یاد آئے
جسے زندگی میں ہو غم کا سہارا — زمانے سے غم کو وہ کیسے چھپائے

(۱۲۹) اُماؔ۔ تخلص اور بابو اما پتی سہائے نام ساکن محلہ پان دریبہ پٹنہ شہر کے روٴسا میں ہیں۔ ان کے خود نوشتہ حالات تذکرہ یاران میکدہ میں موجود ہیں اسلئے راقم نے کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس جگہ اسی کی نقل مندرج کی جاتی ہے۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک گہری نیند سے چونکا ہوں نیند کا زمانہ وہ تھا جو گزر گیا اور چونکنے کا وہ ہے جو رفتہ رفتہ اس کو کھائے جا رہا ہے۔ منظر پر رفتہ رفتہ تاریکی چھائے جا رہی ہے مانوس نظارے گم ہوتے جا رہے ہیں پرانے اثار مٹتے جاتے ہیں خوش باشی اگر معدوم نہیں تو اتنی کمیاب ضرور ہو گئی ہے کہ غیروں کی کیا اپنوں کی آرام کی زندگی محسود ہو گئی ہے مجھے یہ شکایت نہیں کہ مجھے کیوں اب وہ لطف میسر نہیں جو پہلے تھا اگر

امنڈ کر کچھ آنسو تو آنکھوں میں آئے — کچھ ایسا ہوا کہ برسنے نہ پائے
مرے آنسوؤں کو علاقہ ہے غم سے — مسرت کے موتی نہ میں نے لٹائے
کسی کو مصیبت میں روتے جو دیکھا — مجھے اپنے دامانِ نم یاد آئے
مرا غم مرے واسطے زینتِ دل — جو رونا بھی چاہا تو آنسو نہ آئے
یہ کیسے بتائیں یہ کیونکر بتائیں — کہ کیوں ہم کو مدت ہوئی مسکرائے
وہ وقتِ وداع اسکی آنکھوں میں آنسو — میں کیونکر بھلاؤں بھلایا نہ جائے
یہاں تک تو پہونچی تڑپ زندگی کی — اجل مجھ سے خود اپنا دامن بچائے
میں وہ نامرادِ محبت ہوں ہمدم — پہونچکر جو منزل پہ منزل نہ پائے
مری زندگی بن گئی اک تمنا — مسرت میں بھی مجھکو غم یاد آئے
جسے زندگی میں ہو غم کا سہارا — زمانے سے غم کو وہ کیسے چھپائے

(۱۲۹) اُما۔ تخلص اور بابو اماپتی سہائے نام ساکن محلہ پان دریبہ پٹنہ شہر کے رؤسا میں ہیں۔ ان کے خود نوشتہ حالات تذکرہ یاران میکدہ میں موجود ہیں اسلئے راقم نے کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس جگہ اسی کی نقل مندرج کی جاتی ہے۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک گہری نیند سے چونکا ہوں نیند کا زمانہ وہ تھا جو گزر گیا اور چونکنے کا وہ ہے جو رفتہ رفتہ اس کو کھائے جا رہا ہے۔ منظر پہ رفتہ رفتہ تاریکی چھائے جا رہی ہے مانوس نظارے گم ہوتے جا رہے ہیں پرانے آثار مٹتے جاتے ہیں خوش باشی اگر معدوم نہیں تو اتنی کمیاب ضرور ہو گئی ہے کہ غیروں کی کیا اپنوں کی آرام کی زندگی محسود ہو گئی ہے مجھے یہ شکایت نہیں کہ مجھے کیوں اب وہ لطف میسر نہیں جو پہلے تھا اگر



اتنا ہی ہوتا تو کچھ گلہ نہ ہوتا۔ گلہ یہ ہے کہ وہ لطف میرے لئے عنقا ہو گیا ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند کا ماجرا گزر گیا۔ وہ تفریحیں نہیں ہیں وہ مشغلے نہیں ہے وہ وضع وقطع نہیں ہے وہ پہناوے نہیں ہے وہ بولی نہیں رہی حتی کہ شاید وہ آدمی ہی نہیں ہے یا شہر اجنبی ہو گیا آدمی سے مراد اگر اس کا دل اس کی دلچسپیاں اور دلبستگیاں لی جائیں تو آج کے بچے ایک دوسری جگہ کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے پرانی ہندوستانی سنگیت سے شوق تھا انہیں چلتے ہوئے فلمی ریکارڈ سے مجھے چوسر اور پچیسی سے ذوق تھا۔ انہیں کیرم اور پنگ پونگ میں دلچسپی ہے۔ اب کی ضیافتیں گھر پر کرتا تھا بالائیاں اور قلفیاں گھر پر جموا تا تھا یہ ہوٹلوں میں چلے جاتے ہیں اور فریجیڈیئر ولایتی پھلوں کے ٹن ٹھنڈے کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان چیزوں میں بذات خاص لذت نہیں ضرور ہو گی اور اس قسم کی ہو گی جیسی میرے لئے ان کے مد مقابل کی پہلی چیزوں میں بھی مگر میں اس کو کیا کروں کہ مجھے ان کے سامنے وہ بات کہاں میر من کی سی کہاوت یاد آتی ہے۔ دل میر من کو ہی چاہتا ہے اور میر من ہی کا سوگوار ہے۔ یوں تو کچھ دنوں ہائیکورٹ کے وکالت خانہ میں رونق افروزی کا اتفاق ہوا لیکن اس کو بالفاظ حضرت شاد جوانی کا ایک شغلہ کہئے اور اسی طرح کا کچھ نام اسی قسم کی آنریری مجسٹریٹی وغیرہ کو بھی دیجئے جو میری ادھیڑ عمر میں بعض طبقے کے لئے تقریباً لوازمات زندگی بن گئے تھے۔ ہاں کالج کے زمانہ میں ایک چسکا کتابوں کا لگ گیا تھا وہ اب تک قائم ہے۔ گاہے گاہے ایک آدھ غزل کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے بغرض کچھ ناول افسانے اور ڈراموں سے دل بہلا کر اور کچھ آپ بیتی کا دکھڑا غزلوں میں کہکر وقت گزار دیتا ہوں اس وقت میری عمر کوئی چون برس کی ہے۔ حال ایک کالی ڈائن کی طرح سامنے کھڑا ہے ماضی کی یاد کسی کے برق تبسم کی طرح دل میں تڑپ رہی ہے۔"

راقم نے ان کا کلام دستیاب کرنے کو مشتاق حسین صاحب ایڈوکیٹ سے کہا تھا لیکن معلوم ہوا کہ ڈائری بیاض غائب ہو گئی ہے۔ غالباً اسی سبب سے یاران میکدہ میں بھی ان کا کوئی شعر موجود نہیں۔

تمت